رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے   لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲   بابت جولائی سنہ ۱۹۰۳ء   نمبر ۷

Digitized by Khilafat Library

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
۱- عصمت انبیا پر پادری [illegible] کے رسالے	۲۵۳ - ۲۸۶
۱- حضرۃ آدم کا ممنوع پھل کو کھانا	۲۵۶ -
۲- حضرۃ آدم پر شرک کا الزام	۲۵۷ - ۲۶۴
۳- حضرۃ نوح کی دعا	۲۶۵ - ۲۶۹
۴- حضرۃ یونس کا بھاگنا	۲۷۰ - ۲۷۶
۵- حضرۃ موسیٰ کا قبطی کو قتل کرنا	۲۷۶ - ۲۸۲
۶- حضرۃ ہارون پر شرک کا الزام	۲۸۲ - ۲۸۳
۷- حضرۃ ابراہیم پر جھوٹھ کا الزام	۲۸۳ - ۲۸۶
۲- کیا سب مذہب خدا کیطرف سے ہو سکتے ہیں	۲۸۶ - ۲۹۲
۳- انجام مقدمات کی نسبت پیشگوئی اور ٹائیٹل پیج کے اندر	۲۹۲ -

انجمن اشاعۃ اسلام قادیان دار الامان نے

انوار احمدیہ پریس قادیان میں باہتمام شیخ یعقوب علی احمدی تراب چھپوا کر ۲۰ جولائی سنہ ۱۹۰۳ء

کو شائع کیا

چندہ سالانہ معمولی کاغذ عہ   اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر ے

انجام مقدمات کی نسبت پیشگوئی

از حضرۃ اقدس مسیح موعود علیہ السلام

رات کے وقت جو ۲۸ جون ۱۹۰۳ء کے دن کے بعد رات تھی یعنی وہ رات جس کے بعد پیر کا دن تھا اور ۲۹ جون ۱۹۰۳ء میرے خیال پر یہ کشش غالب ہوئی کہ یہ مقدمات جو کرم الدین کی طرف سے میرے پر ہیں۔ یا بعض میری جماعت کے لوگوں کی طرف سے کرم الدین پر ہیں ان کا انجام کیا ہوگا سو اس غلبہ کشش کے وقت میری حالت وحی الٰہی کی طرف منتقل کی گئی اور خدا تعالےٰ کا یہ کلام میرے پر نازل ہوا

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ فِيْهِ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ

اس کے معنی یہ مجھے سمجھائے گئے کہ ان دونوں فریقوں میں سے خدا اُس کے ساتھ ہوگا اور اُسکو فتح اور نصرۃ نصیب کرے گا کہ جو پرہیزگار ہیں یعنی جھوٹ نہیں بولتے ظلم نہیں کرتے تہمت نہیں لگاتے اور دغا اور فریب اور خیانت سے ناحق خدا کے بندوں کو نہیں ستاتے اور ہر ایک بدی سے بچتے اور راستبازی اور انصاف کو اختیار کرتے ہیں اور خدا سے ڈر کر اُس کے بندوں کے ساتھ ہمدردی اور خیرخواہی اور نیکی کے ساتھ پیش آتے ہیں اور بنی نوع کے وہ سچے خیرخواہ ہیں اُن میں درندگی اور ظلم اور بدی کا جوش نہیں بلکہ عام طور پر ہر ایک کے ساتھ وہ نیکی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ سو انجام یہ ہے کہ ان کے حق میں فیصلہ ہوگا تب وہ لوگ جو پوچھا کرتے ہیں جو ان دونوں گروہوں میں سے حق پر کون ہے ان کے لیے نہ ایک نشان بلکہ کئی نشان ظاہر ہوں گے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

۲۹ جون ۱۹۰۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

عصمت انبیا پر پادری مانزو کے رسالے

پادری مانزو رانا گھاٹ میڈیکل مشن کے پادری نے اخبار "ایپی فینی کے ایڈیٹر کی مہربانی" سے ایک رسالہ عصمت انبیا پر نکالا ہے جو کہ اس کے ایک پہلے شائع شدہ رسالے کا دوسرا حصہ ہے جو اسی مضمون پر مشتمل تھا۔ ہم خود بھی منتظر تھے کہ پادری صاحب کے قلم سے عصمت انبیا کا دوسرا حصہ نکلنا چاہیے۔ لیکن ہمیں بڑی اُمید تھی کہ اسدفعہ پادری صاحب اس انسان کی عصمت کے مسئلہ کی طرف توجہ کریں گے جسکو وہ خوش اعتقادی سے خدا سمجھے بیٹھے ہیں۔ اس مضمون پر پادری صاحب کی مضمون نگاری کے دیکھنے کا ہمیں شوق تھا لیکن ہمیں مایوس ہی ہونا پڑا ہے لیکن چونکہ پادری مانزو صاحب ہندوستان میں یسوع کی انجیل کے واعظ بنکر آئے ہوئے ہیں اسلیے اُمید ہے کہ وہ بہت جلد ایک تیسرا حصہ شائع کر کے یہ ثابت کرینگے کہ جو اقوال و افعال یسوع کے انجیل میں لکھے گئے ہیں انسے اسکی معصومیت ثابت ہوتی ہے۔

عصمت انبیاء کا مسئلہ مسلمانوں میں عام طور پر مانا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے عصمت میں طعن کیا ہے اُنکی ذاتی رائیں ساری مسلمان دنیا کے مضبوط اعتقاد کے خلاف کچھ بھی قیمت نہیں رکھتیں۔ اغلب یہ ہے کہ اس قسم کے بیہودہ خیالات اسلام میں ان لوگوں کے ذریعہ سے آئے ہیں جو دوسرے مذاہب کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے تھے اور اس لیے

بعض مسائل میں اپنے پہلے خیالات پر ہی جمے رہے ۔ لیکن پادری صاحبان کی یہ کس قدر بڑی بے ایمانی ہے کہ وہ پبلک کے سامنے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن شریف اور اسکی تمام معتبر تفسیریں عصمت انبیا کا انکار کرتی ہیں حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ وہ قصے جنکو پادری مارزو انبیا کے گنہگار ہونے کا قطعی ثبوت خیال کرتا ہے اور جنکا قرآن کریم میں کوئی ذکر نہیں ہے اُنکو بڑے معتبر اور محقق مفسرین نے جھوٹے اور وضعی ٹھیرا کر رد کیا ہے ۔ جو جو الزامات اس رانا گھاٹ کے پادری نے انبیا علیہم السلام پر لگائے ہیں اور جنکی بنا وہ قرآن شریف کو ٹھیراتا ہے قرآن کریم کے الفاظ اُن کے ایک شوشہ کی بھی تائید نہیں کرتے ۔ اس سے بڑھ کر کونسی بے ایمانی ہوسکتی ہے کہ عوام کو یہ دھوکا دیا جائے کہ فاضل اور محقق مفسرین کی رائے ایسی اور ایسی ہے حالانکہ اس رائے کو محقق مفسرین رد کر چکے ہیں علاوہ ازیں کسی مفسر کی رائے ہر ایک حالت میں قابل تسلیم نہیں ہوسکتی ۔ مسلمانوں کے نزدیک قرآن کریم کی تفسیریں خدا کا کلام نہیں ہیں جنکے ہر ایک لفظ کا وہ اپنے آپکو پابند خیال کرتے ہوں ہاں اگر کسی لفظ یا آیت کی تفسیر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلی ہوئی ثابت ہو تو اُسکو بیشک یقینی طور پر صحیح اور قابل اتباع مانا جائے گا ۔ لیکن جن قصوں کی بنا پر عصمت انبیا میں طعن کیا جاتا ہے ان میں سے کوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یقینی طور سے منسوب نہیں کیا جا سکتا ۔ قرآن کریم کے الفاظ مع تمام حرکات وسکنات و وقفوں کے آج اسی طرح محفوظ ہمارے پاس موجود ہیں جیسے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے وہ نکلے تھے اور اکثر حالتوں میں آسانی سے سمجھ آسکتا ہے کہ کسی فقرہ پر بلحاظ سیاق وسباق کے کون سے معنی چسپاں ہیں اور کونسے وہ معنی ہیں جو قرآن شریف کے عام مفہوم کے مطابق ہیں قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور اس کے بعض حصے دوسروں کے معنوں پر روشنی ڈالتے ہیں ۔ اس لیے جو جو سوالات پادری مارزو نے پیش کیے ہیں اُن کا جواب دیتے وقت ہم صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی کو پیش کرینگے اور معنی کرنے میں انھیں معنوں کو صحیح سمجھیں گے جو قرآن شریف کے دوسرے حصوں کے مخالف نہوں اور جنکا مؤید خود قرآن شریف ہو ۔ اگر کبھی کہیں کہیں کسی تفسیر کا حوالہ ہوگا تو وہ صرف تائیدی رنگ میں ہوگا ۔ لیکن ہماری تحقیقات کی بنیاد صرف قرآن شریف کے الفاظ پر ہی ہوگی ۔ اگر پادری صاحبان کا یہ منشا ہے کہ مباحثہ کو تنگ

نیتی اور ایمانداری سے جاری رکھیں تو اُن کا فرض ہے کہ وہ بھی قرآن شریف کے الفاظ کی بنیاد پر ہمارے بیانات کی تردید کریں اور بجائے اس کے کہ معتبر اور محقق مفسرین کی رائے کا اخفا کر کے جھوٹھے قصوں کو تمام مسلمان مفسرین کی طرف منسوب کریں صاف لفظوں میں اسبات کا اقرار کریں کہ معتبر اور محقق مفسرین جیسے مثلاً امام رازی صاحب تفسیر کبیر ان جھوٹھے قصوں کو مردود ٹھیراتے ہیں جو پادری اپنے الزامات کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اگر ضروری ہوا تو ہم آیندہ یہ بھی ثابت کر کے دکھائینگے کہ ان مردود قصوں کو جنھیں پادری مانزو نے انبیا علیہم السلام پر الزام لگاتے وقت پیش کیا ہے تمام محقق مسلمان مفسرین نے سیاہ جھوٹھ ٹھیرایا ہے۔

اس وقت ہم سب سے پہلے ان افعال کی حقیقت پر بحث کرتے ہیں جنکو انبیا کی طرف گناہ ٹھیرا کر منسوب کیا جاتا ہے اور اس کے بعد ہم اس مسئلہ کے دوسرے پہلو پر غور کرینگے جیسے الفاظ ذَنب وغیرہ کے معنے۔ اِستغفار کے متعلق ہم مفصل بحث اس رسالہ کے فروری کے نمبر میں چھاپ چکے ہیں اور اسلیے بجائے اس کا اعادہ کرنے کے ناظرین کو اسی کا حوالہ دیتے ہیں

جیسا کہ اس سے پہلے مفصل بیان کیا جاچکا ہے **گناہ** کی تعریف یہ ہے کہ گناہ ایک فعل کو اُس وقت کہا جائیگا جبکہ ایک انسان اس فعل کے ذریعہ سے خدا کے حکم کو توڑ کر سزا کے لائق ٹھیرے۔ اس صورت میں ضروری ہے کہ گناہ کے صادر ہونے سے پہلے خدا کا حکم موجود ہو اور نیز اس گناہ کے مرتکب کو وہ حکم پہونچ بھی گیا ہو اور نیز اس فعل کے مرتکب کی نسبت عقل تجویز کر سکتی ہو کہ اس فعل کے ارتکاب سے وہ درحقیقت سزا کے لائق ٹھیر گیا ہے لیکن قبل اس کے کہ ہم ان افعال پر بحث کریں جنکو انبیا کے گُناہ کہا جاتا ہے اس امر کی طرف ناظرین کو توجہ دلانا ضروری ہے کہ انبیا علیہم السلام کو خدا نے ہر ایک قسم کی سزا سے ہمیشہ کے لیے بری ٹھیرایا ہے چنانچہ قرآن شریف سورۂ انبیاء میں صاف الفاظ میں فرماتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰىٓ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ

(الانبیاء - رکوع ۷) ترجمہ جن کے لیے ہمنے پہلے سے ہی نیک بدلا مقرر کر رکھا ہے وہ دوزخ سے بہت دور رہیں گے اس کی آہٹ تک بھی نہیں سُنیں گے اور ہمیشہ کے لیے ایسی زندگی بسر کریں گے جو اُن کے دل چاہتے تھے۔ اس بڑی گھبراہٹ کے وقت اُنکو کوئی غم نہ ہوگا اور فرشتے آگے سے اُنکی ملاقات کریں گے آج وہ دن ہے جس کا تمھارے ساتھ وعدہ کیا جاتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ پادریوں کا منشاء حق کی تلاش نہیں ہے بلکہ وہ صرف اعتراض ہی تلاش کرتے ہیں اور اس لیے قرآن کریم کے ایک حصہ کو دوسرے سے ملا کر نہیں پڑھتے بلکہ ایک ایک لفظ کو الگ کر کے اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں خواہ کوئی دلیل ہاتھ میں ہو یا نہ ہو اور اسی کو اپنا اہم فرض اور اپنے خداوند کی عمدہ خدمت سمجھتے ہیں کہ خدا کے پاک نبیوں کی شان میں بہتان باندھیں اور اُنکو گالیاں دیں اور اُنپر طعن کریں۔

حضرۃ آدم کا ممنوع پھل کو کھانا

سورہ طٰہٰ میں حضرت آدم کے قصہ کے ابتدا میں **ایک** ہی آیت اس فیصلہ کے لیے کافی ہے کہ کس طرح پر حضرت آدم اس عصیان کے مرتکب ہوئے۔ وہ آیت یہ ہے وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ترجمہ اس سے پہلے ہمنے آدم کو ایک حکم دیا تھا سو وہ بھول گیا اور ہمنے اس کا گناہ پر عزم نہیں پایا۔ اس سے حضرت آدم کی صفائی صاف ثابت ہوتی ہے کہ انھوں نے عمداً حکم الٰہی کو نہیں توڑا۔ یہ آیت صرف یہی بیان نہیں کرتی کہ حضرت آدم بھول گئے بلکہ اُن کے ارادہ کی بھی صاف نفی کرتی ہے اور یوں دوہرے طور پر اُنکو اس جھوٹے الزام سے بری ٹھیراتی ہے۔ چونکہ ارادہ گناہ کے لیے ضروری ہے جیسا کہ ابھی گناہ کی تعریف میں ہمنے دکھایا ہے۔ اس لیے آدم کا ممنوع پھل کو کھانا گناہ نہیں تھا۔ اس آیۃ کے بعد ہی حضرت آدم کا مشہور قصہ شروع ہو جاتا ہے کہ کیونکر شیطان نے انھیں دھوکا دیا اور کیونکر انھوں نے ممنوع پھل کو کھایا۔ اس لیے اس سے انکار کی کوئی گنجایش نہیں کہ یہ بھول جانا اور بغیر ارادہ کے کام کیا صرف اسی حکم کے متعلق ہیں نہ کسی اور کے اسمیں شک نہیں کہ آدم حکم

الٰہی کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا مگر اسکا ارادہ نہ تھا کہ خلاف ورزی کرے بلکہ بھولکر ایک ایسا فعل اس سے ہو گیا جس کا نتیجہ ایک حکم الٰہی کی خلاف ورزی تھا۔ اسلیے خواہ ہم نتیجہ کو عصیان ہی کہیں مگر اسمیں کچھ شک نہیں کہ آدم اسمیں بے قصور تھا اور آدم کا گناہ اسکو نہیں کہا جا سکتا۔ اس میں ارادہ کی جزو جو گناہ کے لیے نہایت ضروری ہے بالکل مفقود ہے اور خود خدا تعالیٰ اس معاملہ میں آدم کے گناہ کی نفی کرتا ہے۔ بھول جانا ایک فطرتی انسانی کمزوری ہے اور اسی لیے جبھی کہ پھل کھا چکنے کے بعد آدم کو معلوم ہوا کہ اس سے بے ارادہ خدا کے حکم کی خلاف ورزی ہو گئی اور ضعف بشریت غالب آگیا تو اُس نے خدا تعالےٰ سے دعا مانگی کہ اے خدا اگر تو ہی ہمارا حافظ نہ ہو اور تو ہی اپنی طاقت کے ساتھ ہمیں سہارا نہ دے اور ہماری انسانی کمزوری کو دبائے نہ رکھے تو ہم گھاٹا پانے والے ہوں گے۔ استغفار کے معنوں پر مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے اور اس لیے ہم اس کا اعادہ اسجگہ پسند نہیں کرتے آیۃ عَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی میں عصیان یا خلاف ورزی حکم الٰہی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حکم الٰہی کے بھول جانے کا نتیجہ تھا۔ اور اسلیے ایسا عصیان گناہ نہیں کہلا سکتا۔ اور غوٰی کے معنی لسان العرب نے صاف طور پر بیان کیے ہیں کہ فسد علیہ عیشہ یعنی اُس کے آرام میں خلل آگیا۔ پس ان دونوں لفظوں سے بھی آدم کے گنہگار ہونے کا نتیجہ نہیں نکلتا۔

حضرۃ آدم پر شرک کا الزام

مانرو صاحب حضرۃ آدم پر شرک کا الزام لگاتے ہیں ایسی جرأت کے ساتھ جو پادریوں کے ہی موزون حال ہے۔ وہ لکھتا ہے "سورۃ الاعراف آیت ۱۹۰ میں تصریح کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ آدم شرک جیسے قبیح گناہ کا مرتکب ہوا" ہم پوچھتے ہیں کہ آیا ان پادریوں میں کوئی ایمانداری باقی بھی رہ گئی ہے۔ کیا پادری صاحب بتا سکتے ہیں کہ اس آیت میں جس سے وہ شرک کا الزام حضرت آدم پر لگاتے ہیں حضرت آدم کا نام بھی آیا ہے۔ اور اگر وہاں آدم کا نام ہی نہیں تو کیا یہ ایمانداری تھی کہ وہ شرک جیسا قبیح الزام انبیا کی طرف منسوب کرتا جا تا تاکہ سکو

یہ بھی علم ہے کہ قرآن شریف ایسا ت سے بھرا پڑا ہے کہ انبیا علیہم السلام کو خدا تعالیٰ نے شرک کی ہی بیخکنی کے لیے بھیجا تھا۔ کیا شرک کے متعلق اس نے قرآن شریف میں یہ سخت وعید نہیں پڑھا
اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ترجمہ
خدا ایسا ت کو معاف نہیں کرتا ہے کہ اس سے شرک کیا جاوے اور اسکے سوا جو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ بہت امور ایسے تھے جنپر غور کر کے وہ اس الزام کی بیہودگی کو خود ہی سمجھ سکتا تھا اگر اس کا ارادہ نیک نیتی سے حل اعتراض کا ہوتا

قبل اس کے جو ہم اس آیت کے الفاظ پر بحث کریں جسکی بنا پر الزام لگایا گیا ہے۔ پہلے ہم سورۂ اعراف کے مضامین اور انکی ترتیب کو دیکھتے ہیں۔ قرآن کریم کی وحی کا ذکر شروع کر کے سب سے پہلے حضرت آدم کا ہی قصہ بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی پیدائش۔ فرشتوں کو حکم کہ اُسے سجدہ کریں۔ درخت کے قریب جانے سے منع کرنا۔ ابلیس کا آدم اور حوا کو دھوکا دینا اور ان کا ہبوط۔ اس کے بعد عام طور پر نیکوں اور بدوں کے اعمال اور انکی جزا و سزا کا ذکر ہے۔ اور اسکے بعد دوسرے انبیا کے قصص بیان کیے گئے ہیں جن کے دشمنوں کو اس واسطے ہلاک کیا گیا کہ جب پیغمبر نے اُنکو توحید اور عبادۃ الٰہی کی طرف بلایا تو انھوں نے اُسکو قبول نہ کیا۔ ہر ایک نبی کے متعلق اس کا یہ خطاب اپنی قوم کو بیان کیا گیا ہے یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ترجمہ اے میری قوم خدا کی عبادت کرو جس کے سوائے اور کوئی معبود نہیں۔ اسطرح پر گویا یہ ساری کی ساری سورۃ شرک کی بیخکنی پر ہی زور دے رہی ہے اور اسکی ساری تعلیم شرک کے ہی خلاف ہے۔ پہلے نوح کا ذکر ہے پھر ہود کا پھر صالح کا پھر لوط کا پھر شعیب کا اور بالآخر حضرت موسیٰ کا قصہ۔ اُن کا فرعون کو حق کی طرف بلانا اور پھر اسرائیلیوں کو تعلیم دینا بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ اسکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ کبھی اُنکو یہ سمجھایا گیا ہے کہ انسانی فطرۃ پر نقش توحید الٰہی کا ہے۔ نہ کہ شرک کا۔ کبھی اُنکو دھمکایا گیا ہے کہ اگر وہ شرک سے باز نہ آئیں گے اور خدا کے نشانوں کا انکار ہی کرتے جائیں گے تو اُنپر سخت عذاب الٰہی اور ہلاکت نازل ہوں گے۔ تب وہ پوچھتے ہیں یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ یہ عذاب کی گھڑی جس کا وعید ہمکو سنایا جاتا ہے کب آئیگی

تو اُن کو جواب دیا جاتا ہے کہ یقیناً تم پر آئے گی مگر لَا تَاْتِیْکُمْ اِلَّا بَغْتَۃً جب آئیگی تو ناگہاں ہی آئیگی اور میں تمھیں قبل از وقت اطلاع دیتا ہوں اور اس آنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں اسکے بعد یوں خطاب الٰہی انکو ہوتا ہے هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا ج فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ج فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَکُوْنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیْنَ ٥ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَکَآءَ فِیْمَآ اٰتٰهُمَا ج فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ٥ **ترجمہ** وہی خدا ہے جس نے تمکو ایک ہی جان سے پیدا کیا (یاد رکھنا چاہیے کہ انھیں لوگوں کو یہ خطاب ہے جنکو پہلے خطاب تھا اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی - اور تم سے مراد وہی مشرکین عرب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں) اور اس سے اسکے جوڑہ کو پیدا کیا - تاکہ وہ اس کے ساتھ آرام پکڑے - پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا تو عورت کو ہلکا سا حمل رہا پس اس سے چلتی رہی پھر جب وہ بوجھل ہوئی تو دونوں نے اللہ اپنے رب کو پکارا کہ اگر تو ہمیں صحیح سالم لڑکا دے تو ہم تیرے شکر گذار ہوں - لیکن جب خدا نے اُنکو چنگی بھلی اولاد عطا کی تو وہ دونوں خدا کے شریک ٹھیرانے لگے اسمیں جو خدا نے ان دونوں کو دیا تھا بزرگ ہے خدا بلند تر اس سے جو یہ لوگ (یعنی مشرکین عرب) اسکے ساتھ شریک ٹھیراتے ہیں* آیت کے آخری الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ ان آیات میں آدم اور حوا کا ذکر نہیں ہے کیونکہ اگر یہ انھیں کے شرک کا ذکر ہوتا تو آخری الفاظ یوں ہونے چاہیے تھے کہ بلند تر ہے خدا اس سے جو ان دونوں نے اس سے شریک ٹھیرائے - لیکن کلام الٰہی میں اس موقعہ پر نہ تو صیغہ تثنیہ کا ہی استعمال کیا گیا ہے اور نہ ہی ماضی کا - اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر ان تمام مشرکین عرب کا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب ہیں نہ کسی دو ایسے اشخاص کا جنکے ساتھ کوئی تیسرا انسان نہ تھا جس کی وجہ سے جمع کے صیغہ یشرکون کی ضرورت پڑتی

مختلف باتوں پر غور کرکے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آدم اور حوا کا اسجگہ ذکر نہیں ہے

اوّل حضرت آدم کا قصہ بڑی تفصیل کے ساتھ اسی سورۃ کے شروع میں بیان ہو چکا ہے

اور اس لیے اگر یہ واقعہ اوس کے متعلق ہوتا تو ابتدائے صورت میں ہی آدم کے قصہ کے ساتھ اس کا ذکر ہونا چاہیے تھا۔ **دوم** سورۃ کے مضامین کی ترتیب صاف اس بات پر شاہد ہے کہ اس سورۃ میں انبیا علیہم السلام کا ذکر بالترتیب ہے اور آدم سے شروع کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کیا گیا ہے اور اس لیے آیت مذکورہ بالا میں خطاب بھی آنحضرت صلعم کے دشمنوں کو ہے جیسا کہ اس سے پہلی آیتوں میں بھی ذکر انھیں مشرکین کا ہے۔ **سوم** آدم کا نام ان آیات میں ہرگز مذکور نہیں اور مضامین کی ترتیب ہمیں یہ اجازت نہیں دیتی کہ اس قصہ کو آدم کا قصہ ہی سمجھ لیں **چہارم** حضرت آدم کے ممنوع پھل کھانے کا قصہ بار بار قرآن شریف میں بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ اسمیں خود ہی خدا تعالیٰ نے یہ کہکر آدم کی بریت بھی کر دی تھی کہ وہ بھول گیا تھا اور عمداً اُس نے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی۔ پس اگر آدم شرک جیسے بڑے گناہ کا مرتکب ہوا ہوتا تو زیادہ نہیں تو کم از کم اتنی دفعہ ہی یہ قصہ قرآن شریف میں بیان کیا جاتا جتنی دفعہ کہ دانہ کھانے کے قصہ کا ذکر ہے جو کوئی گناہ بھی نہیں تھا۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ اتنا بڑا گناہ ہو اور ایک دفعہ بھی اس کا ذکر قرآن شریف میں نہ ہو اور آیت زیر بحث جسکو اس واقعہ کا مصداق بنایا جاتا ہے اسمیں آدم کا نام تک بھی نہ ہو۔ ایک چھوٹی سی لغزش کو جو نسیان کی وجہ سے ہو گئی اتنی وقعت دیجاوے کہ بار باراس کا ذکر قرآن شریف میں کیا جاوے اور اتنے بڑے جُرم کو جیسا کہ شرک ہے ایکدفعہ بھی نام لیکر بیان نہ کیا جاوے یہ بات ہماری سمجھ میں تو نہیں آتی۔ **پنجم** دانہ کھانیکی کمزوری کے بعد حضرت آدم خدا تعالیٰ سے حفاظت اور مدد طلب کرتے ہیں اور بار بار یہ کہتے ہیں کہ اے خدا اگر تیری مدد میرے شامل حال نہ ہو گی تو میں زیانکاروں میں سے ہوں گا لیکن اتنے بڑے گناہ کے ارتکاب کے بعد جس سے زیادہ خدا تعالےٰ کو ناراض کرنیوالی کوئی چیز ہی نہیں وہ ایک لفظ بھی منہ پر نہ لایا لیکن یہ کسطرح ہو سکتا ہے۔ کیا اُنکی فطرت ایسی جلدی اس قدر بدل گئی تھی کہ گناہ کا احساس ہی جاتا رہا۔ اور وہ ایک سخت دل گنہگار کی طرح ہو گئے نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ **ششم** ممنوع پھل کھانے کے بعد حضرت آدم فی الفور خدا کی حفاظت اور مدد طلب کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی طرف سے حفاظت اور مدد کا وعدہ بھی اُن کو

دیا جاتا ہے تا آیندہ ایسی کمزوری اسنے ظاہر نہو جسپر انسان خود بخود قادر نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ کسطرح ممکن ہے کہ خدا کی حفاظت اور مدد حسب وعدہ الٰہی حضرۃ آدم کے شامل حال ہوکر وہ ایسے سیاہ گناہ کا مرتکب ہوسکے۔ کیا خدا کی حفاظت اور مدد اسکے نیک بندوں کی اسیطرح دستگیری کیا کرتی ہے؟ اس قسم کی بیہودگیاں خدا کے پاک کلام کی طرف منسوب کرنیسے پادریوں کو شرم کرنی چاہیے۔ **ہفتم** سورہ طٰہٰ میں حضرۃ آدم کے قصہ کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ترجمہ پھر اسکے خداوند نے اُسے چُن لیا اور برگزیدہ کیا اور اسپر رجوع برحمت کیا اور اُسکو سیدھی راہ پر چلایا۔ اب یہ آیۃ صاف طور پر اس بات کی نفی کرتی ہے کہ اسکے بعد پھر آدم سے کوئی ایسی قسم کی کمزوری ظاہر ہو جیسی کہ پہلے ہوئی تھی شرک جیسے بڑے گناہ کا تو کچھ ذکر ہی نہیں۔ علاوہ ازیں اگر آدم نے شرک کا ارتکاب کیا تو پھر ہمیں نعوذ باللہ یہ ماننا پڑیگا کہ خدا تعالیٰ نے ایسے شخص کو اپنے لیے چُن لینے میں سخت غلطی کھائی جسکو بسبب اپنے شرک کے ہمیشہ کے جہنم میں ڈالا جاتا تھا کیونکہ اُسکی معافی کا بھی ذکر کہیں نہیں **ہشتم** قرآن کریم نے صاف فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ترجمہ خدا تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا اور اسکے علاوہ جس گناہ کو چاہے بخشدیتا ہے۔ اسلیے اگر آدم نے شرک کیا تو اُسے بھی نعوذ باللہ دوزخ میں اسکی سزا بھگتنی ہوگی حالانکہ اس خیال کو قرآن کریم اور مسلمانوں کے عقائد سخت مردود اور لعنتی خیال ٹھیراتے ہیں **نہم** اس سورۃ میں ہر ایک نبی کو یہی حکم ہے کہ شرک کی دنیا سے بیخکنی کرے اور یہی اسکی رسالت کی علت غائی ٹھہرائی گئی ہے پھر اگر انبیا خود ہی شرک میں گرفتار ہورہے تھے تو اُنکے ذریعہ جو احکام پہنچائے گئے تھے وہ سب بیمعنی ہوجاتے ہیں **دہم** آیۃ زیر بحث کی مابعد کی آیتیں بھی یہی ثابت کرتی ہیں چنانچہ فرماتا ہے اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ ترجمہ کیا یہ مشرک لوگ انکو خدا کا شریک ٹھیراتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ اور نہ وہ یہ ہی طاقت رکھتے ہیں کہ اپنے پرستاروں کی کچھ مدد دیسکیں اور نہ ہی وہ اپنے آپکی مدد کرسکتے ہیں۔ کہہ جنکو تم خدا کا شریک ٹھیراتے ہو ان سب کو بلاؤ اور میرے ساتھ جنگ کرو اور مجھکو ایکدم کی بھی مہلت نہ دو۔ یہ آیتیں صاف دکھاتی ہیں کہ جن مشرکوں کا پہلی آیت میں ذکر ہے وہ وہی عرب کے مشرک ہیں اور انھیں کو یہ خطاب کیا گیا ہے نہ کہ آدم اور حوا کو کہ اپنے معبودوں کو اپنی مدد کیلیے بلا کر آنحضرۃ صلے اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرلیں۔ یہ آیتیں قطعی طور پر یہ فیصلہ کرتی ہیں کہ جن مشرکین کا

پہلی آیۃ میں ذکر ہے وہ یہی مشرک ہیں جو آنحضرتؐ کے دشمن ہیں نہ کہ آدم وحوا۔

اگر یہ کہا جاوے کہ اس آیت میں دعا جناب الٰہی سے مانگی گئی ہے۔ اس لیے اس میں بُت پرست مخاطب نہیں ہو سکتے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتراض صحیح نہیں عرب کے بُت پرست دوسرے ممالک کے بُت پرستوں کیطرح اپنے بتوں سے برتر ایک ہستی کو مانتے تھے لیکن ان کا یہ خیال تھا کہ انکے بُت بھی چھوٹے چھوٹے خدا ہیں اور دنیا کے کاروبار کے انتظام میں خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک ہیں۔ اسی مضمون کی آیۃ جسمیں بُت پرستوں کا ذکر ہے سورۂ یونس میں مذکور ہے وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّن بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِي آيَاتِنَا ۚ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ فَلَمَّا أَنجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ترجمہ اور جب ہم ان مشرک لوگوں کو کسی دکھ کے بعد جو انکو پہنچ چکتا ہے اپنی رحمت چکھاتے ہیں تو وہ ہمارے نشانوں کے خلاف مکر کرنے لگتے ہیں انکو کہدے کہ اللہ کی تدبیر سریع الاثر ہے۔ ہمارے رسول جو کچھ تم مکر کرتے ہو لکھتے جاتے ہیں وہی خدا ہے جو ہمکو خشکی اور تری میں سیر کراتا ہے یہانتک کہ جب تم کشتی میں سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیاں انکو خوشگوار ہواؤں کے ساتھ لے چلتی ہیں اور وہ خوش ہوتے ہیں تو ایک سخت ہوا آتی ہے اور ہر ایکطرف سے اُنپر موجیں آتی ہیں اور وہ جان لیتے ہیں کہ وہ انسے گھیرے گئے۔ تو پھر وہ خدا تعالیٰ کو خالص کرکے پکارتے ہیں کہ اگر تو ہمکو اس سے نجاة دے تو ہم تیرے بڑے شکر گذار ہوں۔ لیکن جب انکو خدا تعالیٰ نجاة دیدیتا ہے تو پھر وہ زمین میں بغیر حق کے فساد کرتے ہیں۔ اس آیۃ میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ مشرک لوگ مصیبت کیوقت خالص خدا کو پکارتے ہیں جیسا کہ آیت زیر بحث میں یہی بتایا گیا تھا اور اسی آیۃ کیطرح یہاں بھی یہی وعدہ کرتے ہیں کہ اگر انکو مصیبت سے نجاة ملجائے تو وہ خدا تعالیٰ کے شکر گذار ہوں گے لیکن جب خدا تعالیٰ اُن کو نجاة دیدیتا ہے تو پھر شرک کرنے لگتے ہیں

اب صرف یہ دیکھنا باقی رہتا ہے کہ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے کیا مراد ہے۔ اس آیت کا مدعا یہ ہے کہ مشرکوں کو بتایا جاوے کہ خدا تعالیٰ ہی انکا اور انکی بیویوں کا پیدا کرنیوالا ہے نہ وہ کہ جنکو وہ خدا کے شریک ٹھیراتے ہیں اور انکو اس غلطی کا جتانا

مقصود ہے کہ خدا تعالیٰ کو خالق مانکر وہ پھر دوسروں کو عبادۃ میں شریک ٹھیراتے ہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک قوم ہر ایک خاندان ہر ایک فرد ایک ہی جان سے پیدا کیا گیا ہے خواہ وہ نسل قریب سے چلی ہو یا دور سے چلی آتی ہو۔ اگر خَلَقَكُمْ میں ضمیر کو مجموعی طور پر لیا جاوے یعنی کل مشرکین عرب تو وہ ایک جان یعنی نفس واحدہ عربوں کا جد مشترک ہوگا جس سے ان سب کی نسل چلتی ہے لیکن اگر ضمیر میں مشرکین کا ہر ایک فرد مراد لیا جاوے تو اس حالت میں نفس واحدہ یعنی ایک جان سے ہر ایک مشرک کا جو مخاطب ہے جد مراد ہوگا اس صورۃ میں معنی یہ ہونگے کہ خدا ہی ہے جس نے اے مشرکو تم میں سے ہر ایک کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے دو صورتوں میں لفظ نفس واحدہ یعنی ایک جان سے مشرکین عرب کے کسی ایک جد یا اجداد سے مراد ہوگی۔ الفاظ کے معنی دونو صورتوں میں درست رہیں اگرچہ سیاق اور سیاق آیت پہلے معنوں کو ترجیح دیتا ہے الفاظ تعالیٰ اللّٰہ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ سے جو اسی آیتہ کے آخر میں آئے ہیں یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ آیت میں ایک جوڑہ کا ذکر ہے مگر اس سے کوئی خاص جوڑہ مراد نہیں بلکہ مشرک والدین کا ہر ایک جوڑہ مراد ہے کیونکہ خطاب عام طور پر سب کو کیا گیا ہے اور یُشْرِکُوْنَ جو کہ جمع کے صیغہ میں آیا ہے صاف ثابت کرتا ہے کہ اصل مراد دو سے زیادہ کی ہے۔ اسطرح جیسے ہر ایک جدا ایک نفس واحدہ ہوا اور ہمارا اختیار ہے کہ خواہ اس سے مراد ہر ایک موجود مشرک کے والدین کو لیں یا کل مشرکین کے جد مشترک کو مراد لیں باقی رہے الفاظ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا سو ان کے متعلق یہ کہنا درست نہیں کہ چونکہ یہاں عورت کا مرد سے پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے اسلیے اسکا مصداق سوائے آدم اور حوا کے اور کوئی نہیں ہو سکتا یہ خیال غلط ہے۔ سورہ روم میں قرآن شریف میں آیا ہے وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ترجمہ اور خدا کے نشانوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمھارے لیے تم سے ہی تمھاری بیویاں پیدا کیں پس قرآن شریف کی رو سے صرف حوا ہی آدم سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ ہر ایک آدمی کے لیے عورت اُسی سے پیدا کی گئی ہے۔ اور جیسا کہ وہاں لفظ من آیا ہے جس کے معنے ہیں من نفس سے ایسا ہی یہاں پر لفظ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں تمھاری جانوں سے۔ دونوں جگہ مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے عورۃ کو اسی قسم سے بنایا ہے جس سے مرد کو۔ اسیطرح جیسے قرآن شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ آیتیں آئی ہیں لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اور بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ جنکے معنی یہ ہیں کہ تم میں سے ہی ایک رسول تمھارے پاس آیا ہے اور خدا نے اُمیوں میں ایک رسول انہیں سے ہی بھیجا۔ اور یہاں الفاظ من انفسکم اور من انفسهم جو استعمال ہوئے ہیں وہ بعینہ اسی قسم کے الفاظ ہیں جو کہ مرد سے عورۃ کی پیدائش کے متعلق

استعمال ہوئے ہیں۔

اسطرح پر یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس آیۃ میں جسکے متعلق پادری مانہ ویہ بیان کرتا ہے کہ اسمیں کھلے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ آدم شرک جیسے گناہ کا مرتکب ہوا وہاں نہ تو آدم کا نام ہے اور نہ ان الفاظ سے آدم مراد ہی لیا جا سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پادری لوگ اعتراض کرنے میں کسطرح دیانت کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ قرآن شریف کے الفاظ کیطرف کوئی توجہ نہیں کرتے حالانکہ وہی الفاظ ایسے ہیں جنکو مسلمان سند جانتے ہیں۔ اور بجائے ان الفاظ کے یہ لوگ کسی ایک مفسر کی مردود رائے کو ہاتھ میں لیکر اسکو اسلام جیسے پاک مذہب پر حملہ کرنیکے لیے قیمتی ہتھیار سمجھتے ہیں اور ایسے مفسر کو عالم و فاضل بیان کرتے ہیں خواہ اسکی ایسی رائے کو سینکڑوں فاضل اور معتبر مفسر رد کر چکے ہوں۔

یہ کسقدر دیانتداری سے بعید ہے کہ ظاہر تو یہ کیا جاتا ہے کہ ہم قرآن شریف کی بنا پر اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن اعتراض کی بنیاد صرف کسی مفسر کی مردود رائے پر یا کسی مردود قول پر ہوتی ہے جسکو نہ صرف دوسرے معتبر مفسر ہی رد کر چکے ہیں بلکہ جسکی خود قرآن شریف بڑے زور سے تردید کرتا ہے۔

ہم تعجب کرتے ہیں کہ پادری صاحبان انبیا کی طرف گناہ منسوب کرنے میں کسقدر جرأت سے کام لیتے ہیں حالانکہ انکے ہاتھ میں کوئی دلیل بھی نہیں ہے لیکن انجیلوں میں جو یسوع کے متعلق اس قسم کا ذکر ہوتا ہے جس سے گناہ کا نتیجہ نکل سکے اسپر خاموشی سے گذر جاتے ہیں۔ آدم پر تو یہ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ اسنے خدا کے ساتھ شریک ٹھیرایا لیکن ایسے مقابلہ کے وقت یسوع کا نام بھی نہیں لیتے جسنے انکی کتابوں کے موافق خدائی کا دعویٰ کیا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ معمولی طور پر پیدا ہوا ہے اور کمزور سے کمزور انسان کے ساتھ اسمیں مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ آدم کسی عورت کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ خود خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اپنی شکل پر اسکو پیدا کیا تھا۔ لیکن پھر بھی اُسنے ایسے کفر کا دعویٰ نہ کیا جو عیسائیوں کے اعتقاد کے مطابق ایک عورت کے بچہ نے کیا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ آدم کی خدائی ایک دانہ کے کھانے سے جاتی رہی تو پھر یسوع پر تو اس سے بھی بڑھ کر اعتراض ہے کہ اسنے ایک ایسے کھیت سے جو دوسرے کا مال تھا خوشے توڑے اور اپنے مریدوں کو توڑنے دیے حالانکہ یہ خوشے اسکے لیے ایسے ہی ممنوع تھے جیسا کہ آدم کے لیے دانہ۔ علاوہ اس کے آدم نے تو بھول کر دانہ کھایا تھا مگر یسوع نے عمداً حکم الٰہی کو توڑا اور علاوہ اسکے اس ناجائز فعل سے سبت کو جسکی تعظیم کا حکم تھا ناپاک کیا۔ اب مقابلہ سے آسانی سے یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ واقعی گنہگار کون شخص ہے آیا وہ جسکے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسنے بھول کر ایک دانہ کھا لیا جس سے وہ منع کیا گیا تھا اور اسطرح پر بغیر ارادہ کے

اس سے حکم الٰہی کے متعلق چوک ہوگئی - یا وہ شخص جس کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اسنے ارادۃً نہ ایک بلکہ کئی خوشے توڑے جو اس کیلیے ممنوع تھے - اور اسطرح جیسا بڑی جرأت کے ساتھ حکم الٰہی کی عمداً خلاف ورزی کی - ہم اُمید کرتے ہیں کہ پادری مانرو صاحب اس میں فیصلہ دیں گے

حضرۃ نوح ؑ کی دُعا

اس عنوان کے نیچے صرف چند ہی لفظ کافی ہوں گے - پادری مانرو کا مجرم کانشنس ہر ایک نبی پر کوئی نہ کوئی تہمت لگائے بغیر نہیں رہ سکتا - اس نے بڑی جرأت کیساتھ یہ لکھا ہے کہ نوح اپنے بیٹے کے لیے دعا کرنے میں گناہ کا مرتکب ہوا - اب ہم پوچھتے ہیں کہ وہ خدا کا حکم جس میں نوح کو اپنے بیٹے کیلیے دعا کرنیسے منع کیا گیا ہو قرآن شریف میں کہاں مذکور ہے اور اگر وہ کوئی ایسا حکم الٰہی نہیں دکھا سکتا تو یہ کیسا قابل نفرین جھوٹھ ہے قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جسمیں یہ ذکر ہو کہ نوح کو اپنے بیٹے کے بچانیکے لیے دعا کرنے سے منع کیا گیا تھا - یاد رکھنا چاہیے کہ آیت وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا یعنی ظالموں کے بارہ میں مجھسے خطاب نہ کرو - پادری صاحب کیلیے مفید نہیں ہو سکتی کیونکہ خدا تعالیٰ کا نوح کے ساتھ یہ بھی وعدہ تھا کہ اس کے اہل کو بچا لیا جاویگا - اسلیے پادری منرو کو کوئی ایسی آیۃ پیش کرنی چاہیے جسمیں نوح کو اپنے بیٹے کے لیے جو اسکے اہل میں سے تھا دعا کرنیسے منع کیا گیا ہو - سورۂ ہود میں جہاں سے پادری صاحب نے اپنا اعتراض لیا ہے یہ آیتیں ہیں وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّيْ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ترجمہ اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا ای میرے رب میرا بیٹا میری اہل سے ہے اور بلاشک تیرا وعدہ (میری اہل کو بچانے کا) سچ ہے - اور تو سب حاکموں سے بڑا حاکم ہے خدا تعالیٰ نے فرمایا اے نوح یہ تیرا بیٹا تیرے اہل سے نہیں ہے کیونکہ وہ عمل غیر صالح ہے - اسلیے ایسا سوال مجھسے مت کر جس کا تجھے علم نہیں دیا گیا یہ میں اسلیے تجھے سمجھاتا ہوں کہ تو جاہلوں سے نہ ہو جاوے - نوح نے عرض کیا ای میرے رب میں تیری ہی پناہ مانگتا ہوں کہ ایسا سوال تجھسے کروں جس کا مجھے علم نہیں - اور اگر تو میری حفاظت نہ کرے اور مجھپر رحم نہ کرے

تو بیشک میں زیاں کاروں سے ہوں گا۔

ان آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح کو یہ خیال تھا کہ چونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ اسکے اہل کو بچانیکا ہے اسلیے شاید اس کا بیٹا بھی وعدہ کے الفاظ کے اندر آجاتا ہے لیکن جب حضرۃ نوح نے بیٹے کو ڈوبتے ہوئے دیکھا تو خدا تعالیٰ کے سامنے نہایت عاجزی سے یہ عرض کی کہ جناب الٰہی کا وعدہ اسکے اہل کو بچانے کا تھا اور اس کا بیٹا بھی اسکے اہل ہی سے ہی ہے۔ اور ساتھ یہ بھی عرض کی کہ خدا کے وعدے بالکل حق ہیں اور ہر ایک حکم جو اُسکی جناب سے صادر ہوتا ہے وہ نہایت ٹھیک ہی اسکے جواب میں خداوند تعالیٰ نے اسے بتایا کہ اس کا بیٹا اسکے اہل میں سے نہیں لیکن چونکہ صرف اسی قدر بیان سے حضرۃ نوح کے سوال کا جواب پورا نہ ہوتا تھا۔ اسلیے اسکی وجہ ساتھ یہ بیان فرمائی کہ وہ عمل غیر صالح ہے اس آخری فقرہ کو پادری مانرو حضرۃ نوح کی دعا کے متعلق سمجھتا ہے۔ کئی وجوہات ہیں جنسے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ ضمیر کیلیے پہلے کوئی اسم ہونا چاہیے جس کی بجائے وہ ضمیر آئے لیکن پہلے فقرہ میں کوئی ایسا اسم جیسا مثلاً نوح کی دعا یا نوح کا سوال یا نوح کا فعل واقعہ نہیں ہوا۔ اور اسلیے اِنَّهٗ میں جو ضمیر ہے اسکو حضرۃ نوح کی دعا یا سوال کے متعلق نہیں سمجھا جا سکتا۔ دوم اِنَّهٗ جو پہلے واقعہ ہوا ہے اس سے اور بھی صفائی سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ معاً اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ کے بعد آتا ہے لیکن اس آخری جملہ کی ضمیر صاف طور پر بیٹے کی طرف ہی جسکا ذکر پہلی آیۃ میں ہے۔ اور اسلیے اِنَّهٗ جو پہلے جملہ میں واقعہ ہوا ہے یعنی انہ عمل غَيْرُ صَالِحٍ میں اسکی ضمیر بھی اسی اسم کی طرف پھرتی ہے دو تو ضمیریں ایک ہی طرز سے واقعہ ہوتی ہیں اور انکا تعلق صاف بتاتا ہے کہ وہ ایک ہی اسم کیطرف پھرتی ہیں۔ لیکن چونکہ پہلی ضمیر بغیر کسی شک کے نوح کے بیٹے کیطرف پھرتی ہے دوسری ضمیر بھی سوائے اسکے اور کسی کی طرف نہیں پھر سکتی۔ سوم نوح نے ان الفاظ میں دعا کی تھی کہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور اسلیے صرف اسیقدر جواب کہ تیرا بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں ہے کافی نہیں ہو سکتا تھا جبتک کہ ساتھ کوئی وجہ نہ بتائی جاتی کہ کیونکر اس کا بیٹا اس کے اہل میں سے خارج ہو گیا۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ نوح کیساتھ اسکے اہل کو بچانے کا تھا۔ اسلیے جب انھوں نے اپنے بیٹے کو غرق ہوتے دیکھا تو فطرتاً وہ خدا تعالیٰ کے آگے چلا اُٹھے کہ انکا بیٹا بسبب انکے اہل میں سے ہونیکے وعدہ کے اندر آنا چاہیے تھا لیکن خدا تعالیٰ نے ان کو یہ جواب دیا کہ تیرا بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں ہے یہ جواب نوح کی عرضداشت کا کافی جواب کسی صورت میں نہیں

خیال نہیں کیا جاسکتا ہے جبتک کہ کوئی وجہ ساتھ نہ بتائی جاوے۔ کہ کیوں بیٹا اہل میں سے نہیں سمجھا جانا چاہیے کیونکہ لفظ کے عام معنوں میں بیٹا اہل میں سے تھا۔ اسلیے خدا تعالیٰ نے الفاظ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ کے بعد یہ وجہ بیان فرمادی کہ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ کہ اسکے عمل اچھے نہیں۔ اور اسوجہ کے بیان کیے جانیکے بغیر فقرہ بالکل نامکمل رہتا ہے۔

پادری ماتربو کو الفاظ عملٌ غیر صالح سے جو کہ نوح کے بیٹے کے متعلق استعمال ہوئے ہیں یہ دھوکا لگا ہے کہ انسان کو عمل غیر صلح نہیں کہا جا سکتا اسلیے یہ الفاظ نوح کے بیٹے کے متعلق نہیں بلکہ نوح کی دعا کے متعلق ہونے چاہیے۔ لیکن ایسا اعتراض صرف عربی زبان سے ناواقفیت کے باعث پیدا ہوسکتا ہے۔ زبان عربی میں ایسے الفاظ عام طور پر مستعمل ہوتے ہیں جیسا کہ کسی شخص کے متعلق مثلاً یہ کہا جاوے انه علمٌ وکرمٌ وجودٌ یعنی وہ شخص علم ہے۔ کرم ہے۔ اور سخاوۃ ہے۔ جبکہ مراد یہ ہو کہ اس کا علم اور کرم اور سخاوۃ بہت بڑا ہے قرآن شریف میں بھی اسکی مثال موجود ہے جیسا کہ فرمایا لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ آہ ترجمہ نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے مُنہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو لیکن نیکی یہی وہ شخص جو ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخر پر یہاں اس شخصکو جو اللہ تعالیٰ پر الآیہ ایمان لائے صاحب نیکی کہنے کے بجائے نیکی کہا گیا ہے۔ اسلیے ایک ایسے شخصکو جو صاحب عمل غیر صالح ہو عمل غیر صالح کہنے میں کوئی اعتراض نہیں بلکہ یہ ایک عام محاورہ اہل عرب ہی۔ ایک اور امر پر غور کرنے سے بھی ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں یعنی اسی فقرہ کی ایک قراءۃ عَمِلَ غَيْرَ صَالِحٍ ہے۔ اور یہاں ماضی کا صیغہ عَمِلَ بجائے مصدری صورۃ عَمَلٌ کے استعمال کیا گیا ہے۔ اب اگرچہ ہم ایسی قراءتوں سے اور کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اصل جو الفاظ قرآن شریف میں استعمال ہوئے ہیں انکے معنوں پر دوسری قراءۃ سے روشنی پڑتی ہے۔ اب دوسری قراءۃ کے مطابق معنی یہ ہیں کہ اسنے عمل کیے عمل غیر صلح سو یہ معنی ہمکو اصل الفاظ کے معنی کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ کیونکہ اس سے پایا جاتا ہے کہ اصل الفاظ یعنی انه عملٌ غیر صالح کے یہی معنی سمجھے گئے تھے۔ اسلیے جس پہلو سے غور کیا جاوے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل معنی ان الفاظ کے وہی ہیں جو ہم نے اوپر کیے ہیں۔

حضرۃ ابراہیم نے جو دعا لوط کی قوم کے لیے کی اس سے بھی نوح کی دعا کے معاملہ پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت ابراہیم کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ یعنی لوط کی

قوم کے بارہ میں ہمسے جھگڑا کیا اب اگر نوح کی دعا اپنے بیٹے کے لیے اس خیال پر کہ اُنھوں نے اسکو وعدہ میں شامل سمجھا گناہ ہو سکتی ہے تو ابراہیم کی سفارش لوط کی قوم کے لیے زیادہ سخت گناہ قرار دیا جانا چاہیے تھا کیونکہ علم کے معاملہ میں تو بہر حال حضرۃ ابراہیم کی حالت حضرۃ نوح کی حالت سے کم نہیں اور عذاب الٰہی بھی ضروری آنیوالا تھا اور اسلیے اُنکی سفارش بھی قضا و قدر الٰہی کے اسی طرح برخلاف تھی بلکہ حضرت ابراہیم کا معاملہ حضرت نوح سے بعد ہوا ہے اور اسواسطے اُنکو حضرت نوح کے قصہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے تھا اگر وہ نوح کا گناہ ہوتا۔ ابراہیم کا گنہگار قوم کے لیے یہ سفارش کا قصہ اسی سورۃ میں حضرت نوح کے قصہ کے بعد مذکور ہے اسلیے ان دونو قصوں کے بیان کیے جانے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت نوح کی دعا خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا کچھ بھی موجب ہوتی تو ابراہیم کی سفارش اس سے بڑھ کر ناراضگی کا موجب ہونی چاہیے تھی۔ درحقیقت حضرۃ ابراہیم کا قصہ حضرۃ نوح کی دعا کے قصہ کی تشریح کرتا ہے اسلیے ہم دیکھتے ہیں کہ ابراہیم کی دعا کے بابت اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے وہ آیت اسطرح ہے یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْط اِنَّ ابراھیم لحلیم اوّاہ منیب۔ یا ابراھیم اعرض عن ھذا ترجمہ ابراہیم ہمارے ساتھ لوط کی قوم کے بارہ میں جھگڑنے لگا کیونکہ ابراہیم بڑا نرم دل اور بہت خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا تھا اے ابراہیم اس سے رُک جاؤ۔ جیسا نوح کو اپنے بیٹے کے لیے دعا کرنے سے روکا گیا اسیطرح ابراہیم کو قوم لوط کے لیے دعا کرنے سے روکا گیا۔ چونکہ قرآن بعض بعض کی تفسیر ہے اور ابراہیم کا قصہ بعینہ نوح کے قصہ کی طرح اسجگہ پر واقعہ ہوا ہے اسلیے ہم ان دونو قصوں کی صورۃ کو ایک ہی سمجھینگے۔ کوئی وجہ نہیں کہ نوح کو اسی فعل کے لیے عمل غیر صالح کا مرتکب کہا جائے جسکے لیے ابراہیم کی جو نوح سے بعد آیا اسقدر تعریف کی گئی ہے اگر ایسی دعا سے ابراہیم نرم دل ثابت ہوتا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا تو نوح بھی اس دعا سے نرم دل ثابت ہونا چاہیے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ دونو صورتوں میں صرف الفاظ مختلف ہیں اور معانی ایک ہی ہیں۔ جسطرح نوح کو حکم ہوا کہ دعا نہ کرے اسیطرح ابراہیم کو حکم ہوا کہ دعا نہ کرے کیونکہ وہ لوگ جن کے لیے دعا کرتے تھے اپنی بد عملیوں کے سبب سے خدا تعالیٰ کے رحم کے مستحق نہ تھے۔ پھر جسطرح ابراہیم منیب یعنی خدا کیطرف رجوع کرنیوالا بیان کیا گیا اسی طرح پر نوح کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسنے خدا کی حفاظت اور مدد طلب کی اور اسطرح خدا کی طرف اس کا رجوع کرنا ثابت کیا گیا ہے پس کوئی لفظ ہمیں ایسا معلوم نہیں ہوتا جس سے یہ نتیجہ نکال سکیں کہ

کہ اپنے بیٹے کے واسطے دعا کرنیکے لیے حضرۃ نوح کو خدا نے گنہگار ٹھیرایا۔ یہ الفاظ کہ "اے میرے خدا میں تیری حفاظت طلب کرتا ہوں کہ ایسا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں کیونکہ اگر تو میرا محافظ نہ ہو گا مجھپر رحم نہ کرے تو میں زیانکاروں سے ہونگا" پادری مانرو کے بیان کی تائید نہیں کرتے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ کیا نبی اور کیا غیر نبی سب خدا تعالیٰ کی حفاظت کے محتاج ہیں اور جو شخص خدا تعالیٰ کی حفاظت طلب نہیں کرتا یا جسکو خدا تعالیٰ کی حفاظت نہیں دیجاتی وہ بیشک زیانکاروں میں سے ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا کی اور فرمایا رَبِّ لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ یعنی اے میرے خدا مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے نفس کی طرف مت چھوڑ یعنی تو ہی میرا ہر وقت محافظ اور مددگار رہ۔ لیکن چونکہ حفاظت الٰہی حضرۃ نوح کے شامل حال تھی اسیواسطے بچائے گئے اور اگلی آیت میں خدا تعالیٰ انکی نسبت فرماتا ہے یٰنُوْحُ اھْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَکٰتٍ عَلَیْکَ یعنی اے نوح اُتر وہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں لیکر۔ کیا یہ بھی کبھی دُنیا میں ہوا ہے کہ گناہ کا بدلہ خدا کی طرفسے سلامتی اور برکتیں دیجاویں۔

مگر یہ ایک ہی امر نہیں جو پادریوں کی طرفسے ہمیں تعجب میں ڈالتا ہے۔ کہ وہ ناحق خدا کے نبیوں کی شان میں تہمتیں لگاتے ہیں بلکہ زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ انکی انجیلوں کی بنا پر وہ انسان جسکو وہ اپنا خدا سمجھتے ہیں نہایت سخت گناہ کا مرتکب ٹھیرتا ہے۔ مثلاً حضرت نوح پر تو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کے لیے دعا کر کے خدا کی نافرمانی کی اور اسکو ہم جھوٹھ ثابت کر چکے ہیں کیونکہ نہ تو حضرۃ نوح کو یہ حکم ہی دیا گیا تھا کہ تو اپنے بیٹے کے لیے دعا نہ کرنا اور نہ ہی حضرۃ نوح کے دعا کرنیکو کہیں گناہ کہا ہے۔ لیکن ایک دعا کے ہی معاملہ میں اگر ہم انجیلوں کا اعتبار کریں تو یسوع گنہگار ٹھیرتا ہے۔ انجیلوں کے مطابق خدا نے یسوع کو اسلیے دنیا میں بھیجا تھا کہ تا وہ صلیب پر جان دے اور اس حکم الٰہی کا اسکو بخوبی علم تھا۔ اسلیے صلیب پر مرنے سے بچنے کے لیے دعا کرنے سے بڑھکر یسوع اور کوئی گناہ ہی نہ کر سکتا تھا۔ لیکن انجیلوں میں لکھا ہے کہ اسنے جان بچنے کے لیے رو رو کر دعا کی اور ساری رات حکم الٰہی کی خلاف ورزی میں صرف کی اور غمسے اسکی موت تک نوبت پہنچ گئی۔ بس کوئی شک نہیں کہ یسوع کی یہ دعا کہ موت کا پیالہ ٹل جائے خدا کے اس حکم کی نافرمانی تھی جس کا منشا یہ تھا کہ وہ صلیب پر لعنتی موت مرے۔ درحقیقت پادریوں نے یسوع کی اس دعا کی گناہ کو چھپانیکے لیے اس کا گناہ حضرۃ نوح پر تھوپ دیا ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ پادری مانرو قلم اُٹھاتے وقت ضرور وضاحت کے ساتھ بیان کریگا کہ کیوں حکم الٰہی کی خلاف ورزی میں اپنے بچاؤ کے لیے دعا کرنیکے واسطے یسوع گنہگار نہیں اور نوح قرآن شریف کے مطابق کیونکر کسی گناہ کا مرتکب ہوا۔

حضرة یونس کا بھاگنا

حضرة یونس کے متعلق پادری مانرو نے اپنی معمولی جرأت کے ساتھ یہ جھوٹھ بیان کیا ہے کہ وہ نعوذ باللہ
خدا سے بھاگ گئے اور خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی اور حوالہ کے لیے قرآن کریم کو پیش کرتا ہے۔
جن آیتوں کا اُسنے حوالہ دیا ہے انکو مفصل نقل کر کے ہم آگے دکھائیں گے کہ پادری مذکور نے کیسی سفید
جھوٹھ بولکر ناحق اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کیا ہے۔ قرآن کریم کا ایک لفظ بھی اسکے اس جھوٹھ کی تائید نہیں کرتا
پہلے ہم ان آیتوں کو لیتے ہیں جو سورہ انبیا میں اس قصّہ کے متعلق آئی ہیں اور جنکا حوالہ پادری صاحب نے
دیا ہے۔ اس سورة کے مضامین جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہوتا ہے انبیا علیہم السلام کے متعلق
بالخصوص نہایت ضروری ہیں۔ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ کیونکر انبیا سے استہزا کیا جاتا ہے اور انکی تحقیر
اور توہین کی جاتی ہے اور اُنکو گالیاں دیجاتی ہیں اسکے بعد انبیاء کے مکذبین کا انجام بیان کیا گیا ہے اور پھر
یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ انبیا حکم الٰہی کی خلاف ورزی کا ارادہ ہی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ فرمایا عباد مکرمون
لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون انبیاء خدا کے مکرم بندے ہیں جو خدا کے حکم سے آگے
بڑھ کر بات نہیں کرتے اور اُسی کے ارشاد کے مطابق کام کرتے ہیں کوئی سمجھدار آدمی ایک لحظہ کیلیے بھی خیال
نہیں کر سکتا کہ ان الفاظ کے بعد انبیا کی نافرمانیوں کا ذکر بھی ہو سکتا ہے بلکہ یہاں تو نافرمانی کے
امکان کو ہی توڑا گیا ہے اور انکی فطرة کو ہی ایسا بیان کیا گیا ہے کہ نافرمانی کا ارادہ بھی وہ نہیں کر سکتے
اس عام بیان کے بعد ضروری تھا کہ تشریح کیطور پر کچھ الگ الگ ذکر انبیاء کا بھی ہوتا جو انبیا
کے اس وصف کو ظاہر کرنیوالا ہوتا۔ اور قرآن شریف کی یہ عادت بھی ہے کہ عام بیان کے بعد
وضاحت کے لیے خاص مثالیں بیان فرماتا ہے۔ اس بیان کی تصدیق کے لیے اسی سورة کا
مطالعہ کافی ہے کہ کسطرح انبیا کے متعلق خدا تعالی اپنے انعامات واکرامات کا بیان کرتا ہے اور دکھاتا
ہے کہ جو کچھ اسکا منشا تھا وہ انبیا کرتے رہے اور اسلیے خدا بھی ہمیشہ اُن کے ساتھ رہا۔ چنانچہ چند انبیاء
کا نام لیکر ذکر کیا گیا ہے۔ ہر ایک نبی کی فضیلت کو بیان کر کے بتایا گیا ہے کہ اس مستحکم تعلق اور قرب
کے باعث جو خدا کے ساتھ انکو تھا کیونکر اللہ تعالی ہر ایک مصیبت کیوقت جو دشمنوں کے ہاتھ سے یا قضاء
وقدر الٰہی سے اُنپر وارد ہوئی انکو بچاتا رہا۔ پہلے حضرت ابراہیم کا ذکر ہے ولقد اٰتینا ابراھیم رشدہ
من قبل (اور اس سے پہلے ہمنے ابراہیم کو رُشد عطا فرمایا) پھر بیان کیا کہ کیونکر لوگ اس سبب سے اُسکے

دشمن ہو گئے کہ اُسنے منشاء الٰہی کے مطابق بتونکو توڑا اور بالآخر یہ بیان ہے کہ کسطرح ہر ایک مصیبت اور تنگی کے وقت میں خدا تعالیٰ اسے نجات دیتا رہا ہے حضرۃ ابراہیم کی اولاد میں سے اسحٰق اور یعقوب کا نام لیا گیا اور پھر یہ آیت آتی ہے وکلا جعلنا صٰلحین وجعلنٰھم ائمۃ یھدون بامرنا واوحینا الیھم فعل الخیرات اور ہر ایک کو ہمنے راستباز بنایا اور انکو امام بنایا جو ہماری احکام کی لوگونکو ہدایت کرتے اور ہمنے انکی طرف نیک کاموں کی وحی کی۔ پھر حضرۃ **لوط** کا ذکر فرمایا کہ ہمنے اُسکو حکمۃ اور علم سکھایا اور اسکو اُن گاؤں سے نجاۃ دی جو بدعملیاں کرتے تھے۔ پھر حضرۃ **نوح** کا ذکر ہے کہ ہمنے اسکی دعا کو قبول کیا اور اسکو اور اسکے اہل کو بڑی مصیبت سے نجاۃ دی" پھر حضرۃ **داؤد** اور **سلیمان** کا ذکر ہے کہ "ہمنے انھیں حکمۃ اور علم عطا فرمایا" پھر **ایوب** علیہ السلام کا ذکر ہے کہ ہمنے اُسکی دعا کو قبول کیا اور اُسکے دُکھ کو دور کیا" پھر حضرۃ **اسمٰعیل** اور **ادریس** اور **ذوالکفل** کا ذکر ہے "جو بڑے صابر تھے اور ہمنے اُنکو اپنی رحمۃ میں داخل کیا کیونکہ وہ بڑے راستباز تھے" یہاں سے حضرۃ **یونس** کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ وذاالنون اذ ذھب مغاضبا فظن ان لن نقدر علیہ فنادی فی الظلمٰت ان لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظٰلمین فاستجبنا لہ ونجینٰہ من الغم وکذٰلک ننجی المؤمنین ترجمہ "اور ہمنے ذوالنون کو بھی رشد عطا فرمایا جبکہ وہ غضب کی حالت میں چلا گیا اور اُسنے خیال کیا کہ ہم اُسپر تنگی نہیں کرینگے یا اُسپر مصیبت نہیں ڈالیں گے۔ (لیکن جب وہ مصیبت میں گرفتار ہو گیا) تو پھر اُسنے اُس تاریکی میں (جسکے اندر وہ مچھلی کے پیٹ میں پڑا ہوا تھا) ہمیں پکارا اور دعا کی کہ اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری ذات ہر ایک عیب اور نقص سے پاک ہے اور میں کمزور اور مصیبتوں میں پھنسا ہوا ہوں۔ پس ہمنے اسکی دعا کو قبول کیا اور اُسکو مصیبت سے نجات دی اور ہر ایک ایمان والے کو ہم اسیطرح نجاۃ دیتے ہیں"۔ یہاں ذوالنون منصوب واقع ہوا ہے اور یہ واو عاطفہ ظاہر کرتی ہے کہ اسکا عطف کسی پہلے فعل پر ہے جیسا کہ حضرۃ ابراہیم کے بعد جتنے نام آئے ہیں وہ واو عاطفہ کے ساتھ سب منصوب آئے ہیں اسلیے ان سب میں وہی فعل مقدر ہے۔ جو حضرۃ ابراہیم کے متعلق بولا گیا ہے اسی لیے ہمنے وذاالنون کا ترجمہ فعل مقدر کو ظاہر کرکے کیا ہے۔ آخری آیۃ سے یہ بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس مصیبت میں حضرۃ یونس گرفتار ہوے وہ اسی قسم کی تھی جیسی پہلے انبیا پر وارد ہوئی تھی اور اُنکا نجاۃ پانا اُسی طرز کا تھا جیسا پہلے انبیاء کا جنکا ذکر اسی سورۃ میں حضرۃ یونس سے پہلے ہو چکا ہے۔ نیز جو خلاصہ مضمون اس سورۃ کا ہمنے اوپر دیا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۃ میں جس قدر انبیا کا ذکر ہے انمیں سے اکثر کا ذکر اسیطرح واقع ہوا ہے کہ وہ بڑی بڑی مصیبتوں میں گرفتار ہوے لیکن جب اُنھوں نے

خدا سے دعا کی تو خدا نے انکی دعا کو قبول کیا اور انکی مصیبت کو دور کر دیا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ مصائب جو انبیا پر آتے رہے وہ اُن کے گناہوں کے سبب سے نہیں تھے۔ بار بار اس امر پر اس سورۃ میں زور دیا گیا ہے کہ کسطرح صبر کے ساتھ انبیاء نے ان مصیبتوں کی برداشت کی جو قضاء و قدر سے یا انکے دشمنوں کے ہاتھ سے اُنھیں پہنچتی رہیں۔ اور کسطرح انھوں نے ہر ایک بھروسہ کو چھوڑ کر صرف خدا کو ہی پکارا اور اسی کی مدد طلب کی جب ساری دنیا انکو چھوڑ چکی تھی اور بالآخر کسطرح خدا کے فضل اور تائید غیبی نے اُنھیں اُن مشکلات سے نجات دی۔ جو پہاڑ کیطرح نظر آتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورۃ میں قریباً ہر ایک نبی کے متعلق ان الفاظ کا بار بار اعادہ کیا گیا ہے کہ انجینٰہ کہ ہمنے اُسکو نجات دی۔ یہی الفاظ حضرۃ یونس کے متعلق استعمال کیے گئے ہیں اور اسجگہ اسکے ساتھ یہ بھی بڑھا دیا گیا ہے کذٰلک ننجی المومنین کہ ہم ایک شخص کو جو مصائب کیوقت خدا پر پورا ایمان رکھے ہم اسیطرح نجات دیتے ہیں۔ اور ان الفاظ سے یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ جن مشکلات میں حضرۃ یونس مبتلا ہوئے تھے اور جسطرح اُنکو نجات دیگئی۔ وہ بعینہٖ اسی طرز کی تھی جیسا کہ پہلے انبیا کی مشکلات اور انکا نجات پانا تھا۔

اب ہم ان آیات کے الفاظ پر غور کرتے ہیں جو حضرۃ یونس کے متعلق ہمنے اوپر لکھی ہیں سب سے پہلے یہ الفاظ قابل غور ہیں کہ ہمنے یونس کو رشد عطا کیا جبکہ وہ غضب میں چلا گیا۔ قرآن شریف میں یہ نہیں لکھا کہ یہ انکا غضب کس کے متعلق تھا۔ لیکن اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ غضب انکا خدا تعالیٰ کے متعلق نہیں ہو سکتا کیونکہ اول تو اسی غضب میں چلے جانیکے متعلق یہ لکھا ہے کہ ہمنے اسکو رشد عطا فرمایا اگر انکا غضب خدا تعالیٰ کے برخلاف ہوتا تو اسطرح بیان کیا جانا چاہیے تھا کہ یونس سخت غلطی میں تھا اور خدا کے غضب کے نیچے تھا جبکہ وہ غضب میں چلا گیا۔ نہ یہ کہ ہمنے اُسکو رشد عطا فرمایا جبکہ وہ غضب میں چلا گیا۔ علاوہ ازیں ایک نبی کے متعلق یہ کہنا کہ وہ خدا کے خلاف غضب میں تھا اگر بے ایمانی نہیں تو بیوقوفی ضرور ہے۔ خصوصاً جبکہ اسی سورۃ میں یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ خدا کے نبی وہ مکرم بندے ہیں جو نہیں بولتے جبتک خدا انکو نہ بلاوے اور کوئی کام نہیں کرتے جبتک خدا انکو کرنیکا حکم نہ دے۔ ہمارے لیے یہ ضروری نہیں کہ ان تفصیلات کو دیکھیں کہ یونس کا غضب کس پر تھا کیونکہ قرآن شریف نے اسکو مجمل رکھا ہے اور اسکی تفصیل کو ضروری نہیں سمجھا۔ ہاں اتنا بیان کر دینا ضروری ہے کہ ابن عباس کی ایک روایت کے مطابق وہ اس ملک کا بادشاہ تھا جسکے برخلاف یونس غضبناک ہوا اور بعض لوگوں کا مذہب ہے کہ وہ اُسکی اپنی قوم تھی جسکو وہ وعظ کیا کرتے تھے۔ اور جنھوں نے اسکو قبول نہ کیا ان دونوں باتوں میں سے کوئی سی مان لیں تو حضرۃ یونس کا قصہ دوسرے انبیا کے قصص کے

مطابق ہو جاتا ہے جو اس سورۃ میں بیان کیے گئے ہیں۔ اور نیز انبیا کی اس خصوصیت کے مطابق ہو جاتا ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔

اسکے بعد یہ الفاظ آتے ہیں فظن ان لن نقدر علیہ اور یہ وہ موقعہ ہے جہاں یا تو پادری منرو اور اُسکے دوستوں کو غلطی لگی ہے یا انھوں نے عمداً غلط معنے کیے ہیں۔ صحیح معنی وہی ہیں جو ہمنے اوپر کیے ہیں جن لوگوں نے اسکے معنے یہ سمجھے ہیں کہ اُسنے خیال کیا کہ ہم اسپر کوئی قدرۃ نہیں رکھتے" انکے متعلق صاحب لسان العرب کہتا ہے دیکھو جلد ۶ صفحہ ۳۸۶ ولا یتاول مثله الا الجاهل بکلام العرب ولغاتها یعنی ایسے معنی کوئی نہیں کرتا سوائے ایسے شخص کے جو عربوں کے کلام اور اُنکے لغات سے بالکل جاہل ہو پھر اس فقرہ کے معنی کرتے ہوئے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ "اُسکے صحیح معنے یہ ہیں کہ ہم اسکے لیے کوئی مصیبت مقدر نہیں کرینگے یا ہم اسپر تنگی نہیں کرینگے اور یہ دونو معنے عربی زبان میں مشہور ہیں"۔ ان معنوں کی مثالیں قرآن شریف میں اور جگہ بھی موجود ہیں۔ چنانچہ اللہ یبسط الرزق لمن یشاء من عبادہ و یقدر- اور من قدر علیہ رزقہ اگر بالفرض کسی نے غلطی سے عربی زبان کی ناواقفیت کے سبب سے یہ معنی کیے بھی ہوں تو وہ سند نہیں ہو سکتے کیونکہ تمام مفسرین اور اہل لغت نے اس غلطی کو بیان کرکے اسکے صحیح معنے کر دیے ہیں۔ یہ پادریوں کی محض بیوقوفی ہے کہ غلط ترجمہ پر زور دیے جاتے ہیں۔ جبکہ اس غلطی کی اسقدر زور سے تردید بھی کر دی گئی ہے۔

اب ان الفاظ پر غور کرنا باقی ہے لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظلمین۔ لفظ ظلم پر الگ مفصل بحث کیجاویگی یہاں اتنا بیان کرنا ضروری ہے کہ حضرت یونس یہاں انسانی کمزوری اور نقص کا خدا تعالیٰ کے کمال اور قدرۃ کے سامنے اقرار کرتے ہیں۔ لفظ سبحنک کے یہی معنی ہیں کہ اے خدا تو ہر ایک عیب اور نقص سے پاک ہے اور اپنی ذات میں کامل ہے۔ خدا تعالیٰ کی طاقت اور کمال کے سامنے وہ اپنی انسانی حالت کو عاجزانہ طور پر بیان کرتے ہیں اور اپنے مصائب اور تکالیف کو اُسکے سامنے پیش کرتے ہیں وہ تمام قوت خدا تعالیٰ کیطرف منسوب کرتے ہیں اور کمزوری اپنی طرف اور التجا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی طاقت کے ساتھ انکو ان مصائب سے نجات دے جنمیں وہ مبتلا ہیں کیونکہ وہ خود باہر نکلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ایسا ہی وہ بے عیبی کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اسکے بالمقابل انسانی نقص کو پیش کرتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اسکا کمال ان کے تمام فطرتی نقصوں کو پورا کرے۔ اسطرح خدا تعالیٰ کے کمال مطلق اور انسانی کمزوری اور عجز کو بالمقابل رکھا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ معتبر روایتوں میں آیا ہے فرمایا

کہ جو شخص بڑی مصیبتوں کے نیچے دبا ہوا حضرۃ یونس کے الفاظ میں دعا کریگا یعنی ان الفاظ میں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اس کے مصائب دور کیے جائیں گے۔ تو گویا اس دعا کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ مصائب سے نجاۃ طلب کرنیکے لیے ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ یہ گناہ سے معافی مانگنے کے لیے ہے۔ اس حدیث سے اس دعا کے معنی بالکل صاف ہو جاتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ظلم جو یہاں استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد وہ مصائب ہیں جو حضرۃ یونس کو پیش آئے تھے نہ کہ گناہ۔ کیونکہ کسی گناہ کا آگے یا پیچھے ذکر نہیں۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ یہ دعا مصائب سے نجاۃ مانگنے کے لیے ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ ما دعا بہا عبدٌ مسلمٌ قط وھو مکروبٌ الّا استجاب اللہ دعاءہ یعنی کوئی مسلمان جو مصائب کے نیچے دبا ہوا ہو یہ دعا کریگا ضرور خدا تعالیٰ اُسکی دعا کو منظور کرلیگا۔ اسلیے اس دعا میں لفظ ظالم کے معنی یہ ہیں کہ مصائب کے نیچے دبا ہوا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو حضرت یونس کی حالت میں ایک شخص کے ساتھ حال بالکل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اس دعا کو مصائب اور مشکلات سے نجاۃ پانے سے کچھ تعلق ہونا چاہیے۔

آخری الفاظ ان آیات کے فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ان معنوں پر اور زیادہ روشنی ڈالتے ہیں۔ یہاں ایک دعا کا ذکر ہے جو خدا تعالیٰ نے قبول کی اور اس قبولیت کا نتیجہ مصیبت سے نجاۃ دینا ہے اور ساتھ ہی ایسی نجاۃ کا ہر ایک مومن سے وعدہ ہے جو دعا کرے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرۃ یونس کی دعا مصیبت سے نجاۃ کے لیے تھی جسکو قبول کر کے خدا تعالیٰ نے اسکو نجات دی۔ لیکن قرآن شریف میں جس دعا کا ذکر ہے وہ صرف یہی دعا ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اور اس دعا کے حضرۃ یونس کے متعلق جو لفظ ہے وہ ظالم کا لفظ ہے۔ اس لیے حضرۃ یونس کی دعا بھی اسی بات ظلم سے بچایا جانیکے لیے تھی لیکن دعا کی قبولیت ہمیں یہ بتاتی ہے کہ یہ حالت سخت مصیبت اور تکلیف کی حالت تھی اسلیے ہم لفظ ظالم کے معنی اسی کے مطابق کر سکتے ہیں یعنی مصیبتوں کے نیچے دبا ہوا۔ اسلیے جہانتک ان آیات کا ہم کوئی مفہوم لے سکتے ہیں۔ نہ تو حضرۃ یونس کے خدا سے بھاگنے کا ذکر ہے نہ خدا کے کسی حکم کو توڑنیکا ذکر ہے اور نہ کسی گناہ کا اقرار ہے۔

اب ہم سورۃ الصافات میں جو حضرۃ یونس کے متعلق آیتیں آئی ہیں انکو لیتے ہیں۔ وہ آیتیں یہ ہیں وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ ۝ فَسَاھَمَ فَکَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ۝ فَالْتَقَمَہُ الْحُوْتُ وَھُوَ مُلِیْمٌ ۝ فَلَوْلَا اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِہٖٓ الخ اور یونس ہمارے مرسلوں میں سے ایک تھا۔ یاد کرو جبکہ وہ بھری ہوئے جہاز کیطرف بھاگ گیا۔

اور قرعہ اندازی کی گئی اور قرعہ اُسی پر پڑا پھر مچھلی اسکو نگل گئی اور وہ مستحق ملامت سمجھا گیا تھا۔ لیکن اگر وہ ہماری تسبیح اور تقدیس کرنیوالوں میں سے نہ ہوتا تو اُسی کے پیٹ میں رہتا" + اس سورۃ میں بھی یہی ذکر ہے کسطرح خدا تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ نبیوں کو انکے دشمنوں کے ہاتھ سے نجات دی کسطرح پہلے نوح پھر ابراہیم پھر موسیٰ اور ہارون پھر الیاس پھر لوط کو عین ضرورۃ کیوقت خدا تعالیٰ نے مدد دی کیونکہ اُنکا بھروسہ خدا ہی پر تھا اور وہ بڑے بڑے مصائب اور ابتلاؤں کے وقت ثابت قدم رہے۔ اور راستبازی کے کام کرتے رہے چنانچہ قریباً ہر ایک نبی کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی اسیطرح پر ہم راستبازوں کو انعام دیتے ہیں کیونکہ وہ (یعنی جس نبی کا ذکر ہے) مصائب کیوقت ہمارے ثابت قدم بندوں میں سے تھا۔ اس کے بعد حضرۃ یونس کا ذکر ان تعریفی الفاظ میں شروع ہوتا ہے۔ یونس بھی ان لوگوں میں سے تھا جنکو ہمنے نبی کرکے چن لیا۔ اس کے بعد اس مصیبت کا بیان ہے۔ جو حضرۃ یونس پر اسی طرح پڑی جسطرح حضرۃ ابراہیم۔ نوح۔ موسیٰ۔ لوط۔ وغیرہ دوسرے انبیاء پر مصیبتیں آئیں۔ اس مصیبت کا آغاز یہ ہے کہ حضرۃ یونس کو ایک جہاز کیطرف بھاگنا پڑا۔ یہ فرض کرنا کہ وہ خدا سے بھاگے تھے پرلے درجہ کی حماقت ہے اگر خدا کا یہی منشا ہوتا تو ما قبل کی آیت میں بجائے یہ کہنے کے کہ یونس بھی ہمارے برگزیدہ لوگوں میں سے تھا یہ کہنا چاہیے تھا کہ یونس بھی گنہگاروں یا مجرموں میں سے ایک تھا کیونکہ وہ خدا سے بھاگ گیا تھا۔ سورۂ انبیاء کی آیۃ پر بحث کرتے وقت ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ حضرت یونس کا بھاگنا اُس ملک کے بادشاہ سے تھا یا اپنی قوم سے۔ اسکے بعد جب حضرۃ یونس جہاز میں چڑھ بیٹھے تو اور بھی زیادہ مصائب نے اُنکو آگھیرا۔ قرعہ ڈالکر انکو دریا میں پھینکا گیا اور اہل جہاز نے خیال کیا کہ وہ واقعی ملامۃ کے قابل ہیں۔ لیکن چونکہ وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک قابل ملامت نہیں تھے اسلیے خدا تعالیٰ نے اُنکو بچا لیا۔ اگر وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ایسے ہی ملزم ہوتے جیسا کہ لوگوں نے انکو خیال کر لیا تھا جب وہ دریا میں پھینکے گئے تھے تو وہ ضرور غرق ہو جاتے کیونکہ خدا تعالیٰ انکی مدد نہ کرتا۔ لیکن خدا تعالیٰ خود انکے ملزم ہونیکا انکار ان الفاظ میں کرتا ہے فلولا انہ کان من المسبحین اور فرماتا ہے کہ اگر واقعی وہ خدا کی تسبیح کرنے والا نہ ہوتا اور ملزم ہی ہوتا جیسا کہ لوگوں نے اسے خیال کر لیا تھا تو ضرور غرق کیا جاتا لیکن خدا تعالیٰ اسکی نسبت یہ بیان کرکے کہ وہ خدا کی تسبیح اور تقدیس کرنیوالوں میں ہی تھا اور اسلیے بچا لیا گیا اسکے ملزم ہونے ہی کا قطعاً انکار کرتا ہے کیونکہ اگر وہ خدا کو ناراض کر کے اور خدا کے حکم کی خلاف ورزی کر کے بھاگا ہوتا تو وہ مسبح نہیں ٹھہرتا لیکن چونکہ وہ ہر وقت خدا پر خالص اور سچا ایمان رکھتا تھا جیسا کہ دوسرے انبیاء رکھتے تھے اسیطرح خدا نے

اسکو عین اُس وقت بچا لیا جبکہ اُسکے بچنے کی کوئی اُمید باقی نہ رہی تھی ۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہے کہ حضرۃ یونس خدا تعالیٰ سے کبھی نہیں بھاگے ہاں یسوع کے متعلق ایک واقعہ کا انجیل میں ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یسوع خدا سے بھاگ گیا کیونکہ انجیل میں لکھا ہے کہ جب اس مقصد کے پورا ہونے کا وقت آیا جسکے لیے عیسائیوں کے اعتقاد کے بموجب خدا نے یسوع کو بھیجا تھا تو یسوع ایک باغ میں چھپ گیا - اب یہودیوں سے اپنے آپکو چھپانا خدا تعالیٰ سے بھاگنا تھا کیونکہ یہودی اسوقت عیسائیوں کے اعتقاد کے رو سے خدا تعالیٰ کے حکم کو پورا کرنا چاہتے تھے لیکن یسوع اسقدر دلیری نہ کر سکا کہ اس حکم الٰہی کے مطابق وہ خود ہی یہودیوں کے پاس چلا جاتا اور صلیب پر چڑھنے کی درخواست کرتا اور اسی لیے بیچارے یہودیوں کو اسکے منتخب شاگردوں میں سے ایک کو رشوت دینی پڑی تا کہ اس کا پتہ ملجاوے - ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ پادری یسوع کے اسطرح خدا سے بھاگنے کی کیا تشریح کرتے ہیں

حضرۃ موسیٰ کا قتل کرنا

پادری مانرو حضرۃ موسیٰ پر یہ الزام لگاتا ہے کہ وہ ایک خون ناحق کر کے خدا کے گنہگار ہوئے - اور سورۂ قصص کی بنا پر وہ یہ الزام پیش کرتا ہے - سورہ قصص میں یہ قصہ اسطرح پر مذکور ہے -

"اور جب موسیٰ عین بلوغت پر پہونچا اور اسکے انسانی قویٰ پوری طرح نشو و نما پا گئے تو ہمنے اسکو علم اور حکمت دیا - کیونکہ راستبازوں کو ہم اسی طرح پر انعام دیا کرتے ہیں اور وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوا جبکہ لوگ غفلت کی حالت میں تھے اور اسنے دو آدمی لڑتے پائے ایک اسکے اپنے گروہ میں سے اور دوسرا اسکے دشمنوں میں سے - جو شخص اسکے اپنے گروہ میں سے تھا اُسنے موسیٰ کے پاس فریاد کی اور دشمن پر مدد چاہی تو موسیٰ نے اسکے ایک مکا مارا تو وہ مر گیا - موسیٰ نے کہا یہ شیطانی اعمال کا نتیجہ ہے - کیونکہ شیطان دشمن صریح بہکانے والا ہے - پھر حضرۃ موسیٰ نے دعا کی کہ اے میرے رب میں نے اپنی جان کو خسارہ میں ڈالدیا پس تو میری حفاظت کر پس خدا نے اسکی حفاظت کی کیونکہ خدا بڑا حفاظت کرنیوالا مہربان ہے حضرۃ موسیٰ نے کہا اے میرے رب جیسا تو نے مجھپر فضل کیا میں بھی کبھی گنہگاروں کا مددگار نہیں ہونگا لیکن شہر میں وہ صبحکو ڈرتا ہوا اٹھا اس انتظار میں کہ کوئی اُسکو پکڑ نہ لے تو پھر وہی آدمی جسنے پہلے دن اس سے مدد مانگی تھی فریاد کرتا ہوا نظر آیا موسیٰ نے اسکو کہا تو بڑا جھگڑالو ہے پھر جب ارادہ کیا کہ اس شخص پر ہاتھ ڈالے جو ان دونوں کا دشمن تھا تو وہ دوسرا شخص بول اُٹھا کہ اے موسیٰ کیا تو ارادہ کرتا ہے کہ جیسا کل ایک آدمی کو قتل کیا ویسا ہی آج مجھے قتل کرے"

اس قصہ میں کئی امور قابل غور ہیں اول تو قصہ کو شروع کرنے سے پہلے ایسے الفاظ میں حضرۃ موسیٰ کی تعریف کیگئی ہے جو اسکے خلاف گناہ کا نتیجہ نکالنے سے سخت مانع ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ موسیٰ کو علم و حکمۃ عطا کیا گیا کہ وہ بڑا راستباز تھا۔ اب قصہ کو بیان کرتے ہوئے پادری اس نکتہ کو کبھی بیان نہیں کرینگے چنانچہ پادری مانزو نے ایسا ہی کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ الفاظ سارے قصہ کی جان ہیں۔ اور اسکے اصل منشا کو ظاہر کرتے ہیں۔ موسیٰ کی راستبازی خدا تعالیٰ کو ایسی پسند آئی کہ اسنے بڑے بڑے انعامات حکمۃ اور علم کے اُسے عطا فرمائے۔ اب خیال کرو کہ ایسے بیان کے بعد یہ قصہ بیان کو ہو کہ ایکدن تو حضرۃ موسیٰ نے خون ناحق کیا اور رات کو توبہ کرکے پھر دوسری صبح ایک اور خون ناحق کرنیکی کوشش کی اور اسمیں بھی کامیاب ہو جاتا اگر شور نہ پڑ جاتا۔ کیا اس سے زیادہ بھی بیہودہ تعلق عبارت کا قیاس میں آسکتا ہے اسکی مثال ایسی ہے کہ مثلاً ایک شخص شراب کی ممانعت پر لکچر دینے کھڑا ہو اور سامعین کی تقلید کیلئے ایک ایسے شخص کو بطور نمونہ پیش کرے جسکی ہر جگہ پرہیزگاری اور شراب نہ پینے کی تعریف اور شہرت ہو رہی ہو اور پھر ساتھ اسکے یہ قصہ بھی بیان کرے کہ یہی شخص جسکو وہ نمونہ کیطور پر پیش کرتا ہے ایک شام کو بازار میں شراب سے مدہوش پڑا ہوا پایا گیا۔ اور پھر رات کو اسکے سامنے اُسنے توبہ کی اور دوسری شام کو پھر ایک شراب کی دوکان میں جاتا ہوا دیکھا گیا۔ اس مثال کی بیہودگی پر غور کرو اور پھر سوچو کہ آیا پادری قرآن شریف کے معنی کرنے میں اس سے بھی بڑھکر حماقت نہیں دکھلاتے موسیٰ ایک شخص ہے جسکو پہلے مومنین کے سامنے راستبازی کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے اور پھر اُسکی راستبازی کی یہانتک تعریف کیجاتی ہے کہ خدا تعالیٰ اُس سے خوش ہو کر اسکو بڑے بڑے انعام دیتا ہے اور علم و حکمت عطا کرتا ہے۔ اور پھر اگلی آیۃ میں اُسکے متعلق یہ بیان کیا جاوے کہ وہ بڑا سفاک اور خونریز تھا جو ناحق لوگوں کے خون کیا کرتا تھا۔

پھر ایک اور امر قابل غور یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے حفاظت مانگنے کے بعد اور جب خدا تعالیٰ سے حفاظت کا وعدہ انکو دیا جاتا ہے تو حضرۃ موسیٰ بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں رب بما انعمت علی فلن اکون ظہیرا للمجرمین اے میرے رب تیرے انعامون کے سبب سے جو تونے مجھپر کیے ہیں میں کبھی مجرموں کا مددگار نہیں ہونگا“۔ اسلیے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسرائیلی کی مدد کرنیمیں حضرۃ موسیٰ گناہ کے مرتکب ہوے کیونکہ یا تو اس فعل میں وہ حق پر تھے یا ناحق پر۔ اگر حق پر تھے تو پھر تو کوئی اعتراض ہی باقی نہیں رہتا لیکن اگر ناحق پر تھے تو پھر وہ مجرم کے مددگار ٹھیرے لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کبھی بھی مجرموں کے مددگار نہیں ہوے۔ بفرض محال اگر یہی مان لیا جاوے کہ یہ وعدہ حضرت موسیٰ کا قطعی

کے قتل کے بعد کیا تھا۔ تب بھی یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ اسرائیلی کی مدد کرنے میں حضرت موسیٰ ناحق پر تھے کم سے کم اسقدر تو ماننا پڑیگا کہ وعدہ کے بعد حضرت موسیٰ اس قسم کے ارتکاب کی پھر کوشش نہ کرتے اگر وہ اپنے فعل کو گناہ یا مجرم کی مدد سمجھتے۔ لیکن ایکدن بھی اس وعدہ پر نہ گذرنے پایا تھا کہ اسی قسم کا واقعہ حضرت موسیٰ کو پھر پیش آیا کہ آپنے اُسی اسرائیلی کو ایک اور قبطی سے لڑتے دیکھا اور پھر اسرائیلی نے اسیطرح موسیٰ کے پاس فریاد کی اور اسیطرح موسیٰ نے اسکی مدد کرنی چاہی اور دشمن کو ہلاک کرنا چاہا مگر ایک ایسا واقعہ پیش آگیا کہ اُنکو رکنا پڑا۔ اگر حضرت موسیٰ پہلی دفعہ اسرائیلی کی مدد کو گناہ خیال کرتے تو ممکن نہ تھا کہ اُنھیں واقعات کے ماتحت اسی اسرائیلی کی مدد کو پھر تیار ہو جاتے جو ایکدفعہ انکے گناہ کا موجب ہو چکا تھا درانحالیکہ وہ وعدہ بھی کر چکے تھے کہ وہ کبھی کسی مجرم کی مدد نہیں کرینگے۔ آیہ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ صاف اس امر پر شاہد ہے کہ دوسرے موقعہ پر حضرت موسیٰ کا فعل ظالمانہ فعل نہ تھا مگر چونکہ حضرت موسیٰ نے دوسرے موقعہ پر بعینہٖ اسی فعل کا ارادہ کیا تھا جو وہ پہلے موقعہ پر کر چکے تھے اسلیے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ پہلے موقعہ پر بھی وہ کسی ایسے فعل کے مرتکب نہیں ہوے۔ یعنی کسی ایسے فعل کے کہ جسکو وہ خود بُرا سمجھتے ہوں یا جو خدا کے نزدیک بُرا ہو۔

ایک اور امر جسپر غور کرنے سے حضرت موسیٰ کی معصومیت ثابت ہوتی ہے اُنکی وہ دعا ہے جو کہ مدین کو بھاگتے وقت اُنھوں نے اللہ تعالیٰ سے مانگی۔ یہ دعا ان الفاظ میں ہے رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ یہاں موسیٰ اپنے دشمنونکو ظالم بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اگر اپنے فعل کو ظلم سمجھتے تو ممکن نہ تھا کہ اسی معاملہ میں وہ اپنے دشمنوں کو بھی ظالم کہتے۔ اگر حضرت موسیٰ یہ جانتے تھے کہ ایک آدمی کے مار ڈالنے میں اُنھوں نے کسی ظالمانہ فعل کا ارتکاب کیا ہے تو پھر وہ اُن لوگونکو جو ایک مجرم شخصکو قرار واقعی سزا دینا چاہتے تھے۔ کیوں ظالم کہتے۔ خود انکی یہ تعلیم تھی کہ جان کے بدلے جان۔ تو پھر اُن لوگونکو جو اسی قانون کے مطابق انھیں پکڑنا چاہتے تھے جسکو وہ عدل اور انصاف کا قانون سمجھتے تھے کیونکہ ظالم کہہ سکتے تھے انکا اپنے مخالفونکو ظالم بیان کرنا اسلیے کہ وہ قبطی کے مارنیکی وجہ سے انکی جان کے درپے ہو گئے تھے صاف ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنے آپکو اس معاملہ میں بیگناہ سمجھتے تھے اور یقیناً جانتے تھے کہ انھوں نے کوئی خون ناحق نہیں کیا جسکے بدلے انھیں سزا ملنی چاہیے۔ اگر وہ خون ناحق کے مرتکب ہوے ہوتے تو ایک عدل اور انصاف کی سزا کو وہ ظلم نہیں کہہ سکتے تھے۔ پھر جب موسیٰ مدین میں پہنچتے ہیں اور شیخ کبیر کے سامنے اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ کیونکر انھوں نے ایک قبطی کو مارا اور پھر کیونکر وہاں سے بھاگے تو وہ شیخ کبیر بھی قبطیونکو ہی ظالم ٹھیراتا ہے اور اس معاملہ میں انھیں کیطرف ظلم کو منسوب کرتا ہے۔ اور کہتا ہے لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ تو مت ڈر کہ ان لوگوں سے جو تجھپر ظلم کا ارادہ رکھتے تھے تو نجات پا گیا۔ اسیطرح

قصہ میں حضرۃ موسیٰ کے دشمنوں کے اس فعل کو کہ وہ قبطی کے بدلے انکو مارنا چاہتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ظلم اور ناحق قرار دیا تھا اور اسلیے وہ فعل جسپر یہ سزا تجویز کرتے تھے خدا تعالیٰ کے نزدیک ظالمانہ اور ناحق نہیں ہوسکتا۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہوتے ہوئے کہتے ہیں وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ کہ ان مصریوں کا مجھپر گناہ ہے اور یہ نہیں کہا کہ خدا کا گناہ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قتل کے معاملہ میں وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک قطعاً اپنے آپکو گنہگار نہیں سمجھتے تھے کیونکہ وہ خدا کو یہ کہتے ہیں کہ میں ان مصریوں کے نزدیک گنہگار ہوں نہ یہ کہ تیرے نزدیک بھی گنہگار ہوں۔

حضرۃ موسیٰ کے یہ الفاظ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ کہ یہ تیرے شیطانی فعلوں کی سزا ہے جو انھوں نے قبطی کے متعلق کہے اسی نتیجہ کے مؤید ہیں۔ جب حضرۃ موسیٰ نے دیکھا کہ قبطی انکے مکّہ سے موت تک پہنچگیا ہے تو فی الفور بول اٹھے کہ یہ تیری شیطانی فعلوں کے سبب سے ہی۔ جس سے انکا یہ مطلب تھا کہ تو نے ناحق ایک اسرائیلی پر ظلم کرنا چاہا تھا اسلیے اپنی سزا کو پہونچگیا۔ ان الفاظ کو حضرۃ موسیٰ کے متعلق سمجھنا ایسی بیہودگی ہے کہ اسکی تردید کی حاجت معلوم نہیں ہوتی۔ جتنے پہلوؤں پر ہم اب تک غور کرچکے ہیں وہ سب اس بیہودہ خیال کی تردید کرتے ہیں اور قرائن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اس مصری کے شیطانی فعلوں کا ذکر کرتے ہیں۔ الفاظ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ سے بھی یہ مراد نہیں لی جاسکتی کہ حضرۃ موسیٰ اپنی طرف کسی ظالمانہ فعل کو منسوب کر رہے ہیں کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں وہ اپنے دشمنوں کے فعل کو جو اس قتل کا بدلہ حضرۃ موسیٰ سے لینا چاہتے تھے ظالم کہتے اور سمجھتے تھے۔ اور اسلیے ایک لمحہ کے لیے بھی وہ اپنی طرف اس معاملہ میں ظلم کو منسوب نہ کرسکتے تھے۔ ان الفاظ سے مراد فقط یہ ہے کہ میں نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالدیا ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مصری جو انکے پہلے سے دشمن تھے انکے قتل کے لیے کوئی بہانہ چاہتے تھے۔ اسی خطرہ کے احساس کے سبب سے وہ فی الفور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس سے حفاظت طلب کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں فَاغْفِرْ لِيْ کیونکہ وہ ایک راستباز آدمی تھے اور کسی دوسرے کو خدا کے سوا اپنا مددگار اور محافظ نہ سمجھتے تھے سو خدا تعالیٰ نے انکی دعا کو منظور کیا اور فرمایا کہ تم مصریوں کے ہاتھ سے بچائے جاؤگے چنانچہ اسی وعدہ الٰہی کے مطابق عین موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اطلاع دیدی کہ تمھارے پکڑنے کے لیے دشمن تجویزیں کر رہے ہیں سو تم اس شہر سے بھاگ جاؤ اور اسطرح جس حفاظت کا حضرت موسیٰ کے ساتھ وعدہ کیا تھا اسکو پورا کیا۔ آیۃ کے ان معنوں کی صحت پر صرف امور متذکرہ بالا ہی شاہد نہیں ہیں بلکہ دوسرے مقامات پر جہاں قرآن کریم میں

اس قصہ کا ذکر آیا ہے وہاں سے بھی انہیں معنوں کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً سورہ طٰہٰ میں اللہ تعالےٰ حضرت موسیٰ پر اپنے انعامات کو بیان کرتا ہوا فرماتا ہے کہ کسطرح کئی موقعوں پر ہمنے تیری جان بچائی چنانچہ پہلا واقعہ بچپن کا بیان فرما کر پھر فرماتا ہے وقتلت نفساً فنجینٰک من الغم یعنی تونے ایک آدمی کو قتل کر دیا اور ہمنے تجھے اس غم سے نجات دی۔ اسمیں ذرا شک نہیں ہو سکتا کہ اس غم سے مراد وہی غم ہے جو بعد قتل کے حضرت موسیٰ کو اپنی جان کیلیے ہوا جسکے لیے انھوں نے یہ دعا مانگی کہ ربّ انی ظلمتُ نفسی فاغفرلی۔ اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک اس قبطی کا قتل گناہ ہوتا اور اسی کے مطابق سورہ قصص کے ان الفاظ کے معنی ہوتے جو ہمنے اوپر نقل کیے ہیں تو ضرور تھا کہ خداوند تعالےٰ موسیٰ کو یہ بھی فرماتا کہ کسطرح وہ قبطی کے قتل میں گناہ کا مرتکب ہوا اور کیونکر اس کا گناہ معاف کر دیا گیا جبکہ اُسنے توبہ کی برخلاف اسکے خدا تعالیٰ اسی انعام کو بیان کرتا ہے کہ کیونکر جب وہ قبطی کو قتل کر چکا خدا تعالیٰ نے اُسکی جان بچائی اور قرآن میں کہیں یہ بھی ذکر ہونا چاہیے تھا کہ کس طرح موسیٰ اپنے اس گناہ کے لیے نادم ہوتا رہا اور فکر کرتا رہا کیونکہ حضرۃ موسیٰ کا قصہ کئی بار قرآن شریف میں بیان ہوا ہے۔ مگر قرآن شریف میں اسی غم کا ذکر ہے جو حضرۃ موسیٰ کو اپنی جان کیلیے ہوا تھا اور اسی انعام کا ذکر ہے جو خدا تعالیٰ نے اس غم کیوقت میں اسکو سہارا دیا اور اسکی جان بچائی چنانچہ جسوقت اسکو فرعون کیطرف جانیکا حکم ہوا تو حضرۃ موسیٰ نے بھی عرض کی انی قتلت منہم نفساً فاخاف ان یقتلون کہ انمیں سے میں نے ایک آدمی کو مار دیا ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے مار نہ ڈالیں۔ پس اسمیں کوئی شک نہیں کہ جس غم کا الفاظ ظلمت نفسی میں اظہار کیا گیا ہے وہ انکو انکی جان کے خطرہ کے متعلق تھا جس کا ذکر قرآن شریف میں بار بار آیا ہے اور جس حفاظت کا انکو وہاں وعدہ دیا گیا ہے۔ وہ حفاظت اسکے دشمنوں کے بد منصوبوں سے تھی نہ کہ خدا کی سزا سے چنانچہ اس واقعہ کے بعد جو کچھ ہوا وہ بھی اسی نتیجہ کا مؤید ہے۔ کیونکہ اپنے سخت ترین دشمنوں کی درمیان سے حضرت موسیٰ کی زندگی معجزانہ طور پر بچائی گئی۔

جہانتک یہ قصہ قرآن شریف میں موجود ہے اس سے حضرۃ موسیٰ کے گنہگار ہونیکا نتیجہ ہرگز نہیں نکل سکتا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کا فعل قبطی کے مارنیکا کس قسم کا تھا۔ اور کیا وجہ تھی کہ وہ قتل میں اپنے آپکو حق بجانب سمجھتے تھے اور ان لوگونکو جو قصاص میں انکی جان لینا چاہتے تھے ناحق پر خیال کرتے تھے۔ یہ امر واقعہ ہے جسکی شہادت تاریخ سے ملتی ہے کہ اسرائیلی مصریوں کے ماتحت ایک سخت غلامی کی زندگی بسر کرتے تھے انکے ساتھ صرف معمولی غلاموں کا ہی سلوک نہ ہوتا تھا بلکہ بہت سختی اور ظلم انپر کیے جاتے تھے اور

ذلیل سے ذلیل کام ان سے لیے جاتے تھے قرآن شریف اور توریت دونو گواہ ہیں۔ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس ذلت کی حالت میں انکے ظالم آقا کس کس قسم کی بے رحمیاں اُنپر کرتے ہونگے اور کسطرح بیدردی سے انکو مار ڈالتے ہونگے۔ تمدن کے پُرانے قوانین کی رو سے غلام کے قتل کے وقت مناسب چارہ جوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ اور جب اسکے ساتھ ہم اس سختی کو بھی مدنظر رکھیں جو مصری اسرائیلیوں پر کرتے تھے اور اس ذلیل حالت پر غور کریں کہ جسطرح اسرائیلی رکھے جاتے تھے تو آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ کسطرح قبطی اسرائیلیوں کو قانون کی گرفت سے بیخوف مار ڈالتے ہوں گے۔ جبکہ حکام بھی ان بیچارے عبرانیوں کی جانوں کی چندان پروا نہ کرتے تھے۔ اب سوچنا چاہیے کہ اگر ایک اسرائیلی اور قبطی لڑ رہے ہوں تو بیچارے اسرائیلی غلام کی جان کسقدر خوف کی حالت میں ہوگی کیونکہ اسرائیلی تو اپنے آقا کے خلاف ہاتھ بھی نہیں اُٹھا سکتا اور قبطی کو نہ اسکی جان کی پروا ہے اور نہ قانون کا خوف ہے۔ اب اگر حضرۃ موسیٰ اسرائیلی کی مدد کے لیے وقت پر نہ پہونچ گئے ہوتے تو وہ یقیناً جانبر نہ ہو سکتا جب اُسنے ظالم دشمن کے پنجہ میں اپنے آپکو بےبس پایا تو ناگہاں حضرت موسیٰ پر اُسکی نظر جا پڑی اور اُسنے اُنسے مدد طلب کی۔ لفظ استغاثہ جو یہاں استعمال کیا گیا ہے وہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ مظلوم اسرائیلی تھا۔ اور اگر حضرت موسیٰ اُسکی جان نہ بچاتے تو وہ خود بخود قبطی کے پنجہ سے نجاۃ نہ پا سکتا۔ یہ حالت دیکھکر حضرۃ موسیٰ نے اُس ظالم کے مُکّا مارا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکا منشا اسکو قتل کرنیکا نہیں تھا بلکہ صرف مظلوم کو چھڑانیکا تھا۔ مُکّہ سے مر جانا یہ ایک اتفاقی امر تھا ورنہ ضرب اس قسم کی نہ تھی جس سے معمولی طور پر نتیجہ موت کا پیدا ہو سکے۔ لیکن اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ حضرت موسیٰ کا ارادہ ہی اُسکو قتل کرنیکا تھا تب بھی حضرۃ موسیٰ حق پر ہی تھے کیونکہ اگر وہ مظلوم کی مدد نہ کرتے تو معاً اُسکی جان کا خاتمہ ہو جاتا۔ اسلیے حضرۃ موسیٰ نے جو کچھ فعل کیا وہ ایک جان بچانیکے لیے تھا اور اسلیے اُسکو گناہ یا جرم کسی صورۃ میں کہا نہیں جا سکتا۔ حضرۃ موسیٰ کا قتل کے واقعہ کے بعد ہی معاً یہ کہنا کہ میں مجرموں کا مددگار ہرگز نہیں ہوں گا اسی امر پر دال ہے کہ وہ خوب جانتے تھے کہ اسرائیلی کی مدد کر کے انہوں نے ظالم کی مدد نہیں کی بلکہ مظلوم کی کی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ دوسرے دن جب انہوں نے اسی اسرائیلی کو ایک اور قبطی کے پنجہ میں گرفتار پایا اور مدد کے لیے چلاتے ہوئے دیکھا تو پھر وہ اُسی طرح مدد کیلیے طیار ہو گئے۔ یہ کہ اسکو حضرت موسیٰ نے غوی کہا اس سے مراد اُنکی یہ نہ تھی کہ وہ ظالم ہے کیونکہ غوی کو اگر ان معنوں میں استعمال کرتے تو کبھی اُسکی مدد کے لیے آگے نہ بڑھتے غوی سے مراد اُنکی یہ تھی کہ تو جھگڑالو ہے۔ اور اُسکو یہ اطلاع دینا مقصود تھا کہ اسکو ایسے آدمیوں کے ساتھ جھگڑنے سے پرہیز کرنا چاہیے

جو بڑی بیدردی سے اسکی جانکا خاتمہ کردینے کو طیار تھی۔ پس صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ ایک غلام کی جان بچانے لگے تھے کہ اتفاقاً ظالم اپنی سزا کو پہونچگیا۔ اور حضرت موسیٰ کا یہ فعل صرف جائز ہی نہ تھا بلکہ ایک بیگناہ آدمی کی جان بچانے کے لیے ضروری ہو گیا تھا۔

حضرت ہارون پر شرک کا الزام

Digitized by Khilafat Library

پادری مارز و حضرت ہارون پر شرک کا الزام لگاتا ہے اور سند کے لیے سورۂ اعراف کی آیت ۱۵۰ کا حوالہ دیتا ہے۔ اس آیت کو معہ ترجمہ ہم نیچے لکھتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ کسقدر دیانتداری سے پادریصاحبان کام لیتے ہیں۔ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

ترجمہ اور جب پھر آیا موسیٰ اپنی قوم کیطرف غضب اور رنج سے بھرا ہوا۔ کہا برا ہے جو کچھ تمنے میرے بعد کیا۔ کیا تمنے اپنے رب کے حکم میں شتابی کی۔ اور تختیاں ڈالدیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اسکو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ اسنے کہا اے میری ماں کے بیٹے۔ قوم نے مجھے ضعیف سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے پس میرے ساتھ دشمنوں کو خوش مت کر اور ان ظالم لوگوں کے ساتھ مجکو نہ ملا"۔ ہم تعجب کرتے ہیں کہ اس ساری آیت میں کونسا لفظ ہے جو پادری مارز و کے الزام شرک کی تائید کرتا ہے حضرت موسیٰ کا غضب اور رنج جیسا کہ آیت میں صاف بتایا گیا ہے قوم کے خلاف تھا کیونکہ انھوں نے انکی غیر حاضری میں گوسالہ پرستی اختیار کی اور ان الفاظ کی مخاطب بھی وہی قوم ہے کہ "برا ہے جو کچھ تمنے میرے پیچھے کیا" پھر اسی قوم کی نسبت ہی حضرت ہارون کہتے ہیں کہ قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہارون خود اس قوم میں شامل نہ تھے بلکہ ان کی گوسالہ پرستی کی مخالفت کرنیکی ہی وجہ سے انکی جان خود خطرہ میں پڑی ہوئی تھی۔ یہ آیت صاف شاہد ہے کہ حضرت ہارون ان لوگوں میں سے نہ تھے جنھوں نے گوسالہ کی پرستش کی تھی بلکہ برعکس اسکے انھوں نے گوسالہ پرستی کی مخالفت یہانتک کی کہ لوگ ان کے دشمن اور مارنیکے درپے ہو گئے حضرت ہارون کا توحید پر قائم رہنا اور توحید کا وعظ بنی اسرائیل کو سنانا سورہ طٰہٰ میں صاف الفاظ میں

بیان کیا گیا ہے وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِن قَبْلُ يَا قَوْمِ إِنَّمَا فُتِنتُم بِهِ ۖ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَٰنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي - اور ہارون نے اس سے پہلے انکو کہا تھا اے میری قوم تم اس گوسالہ سے ازمائے گئے ہو۔ اور تمھارا رب بڑا رحم کرنیوالا ہے پس تم میری پیچھے چلو اور میرے امر کی پیروی کرو۔ کیا ان صاف الفاظ کے باوجود ایک نبی پر شرک کا الزام لگانا ایمانداری ہے۔ پھر حضرۃ ہارون سورہ اعراف کی اس آیت میں جو اوپر نقل کی گئی ہے صاف حضرۃ موسی کو کہتے ہیں کہ مجھے ان ظالموں کے ساتھ مت ملا اور اسطرح سے اپنے اس فعل میں شامل ہونیکا صریح انکار کرتے ہیں کوئی لفظ اس آیت میں ایسا نہیں جس سے ہارون کا گوسالہ پرستی میں شامل ہونا ثابت ہو بلکہ صاف صاف الفاظ اس جرم میں انکی شمولیت کی تردید کرتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں کہ وہ گوسالہ پرستی کے برخلاف وعظ کرتے رہے۔ اس سے پہلے حضرۃ آدم کے متعلق لکھتے ہوئے ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ شرک جیسے سخت گناہ کو انبیا کی طرف منسوب کرنا قرآن شریف کے صریح اور صاف الفاظ کو رد کرنا ہے اسلیے اس مضمون پر دوبارہ بحث کرنیکی ضرورت نہیں۔ حضرۃ ہارون کی شرکت کا نتیجہ حضرۃ موسی کی اس دعا سے نکالنا کہ انھوں نے کہا تھا رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي سخت بیہودگی ہے۔ استغفار کے معنوں پر پہلے بحث ہو چکی ہے اور استغفار کرنے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ جس کے لیے استغفار کیا گیا ہے وہ کوئی گناہ بھی کر چکا ہے۔ بلکہ استغفار کے معنے خدا کی حفاظت اور مدد کو طلب کرنیکے ہیں علاوہ اس کے حضرۃ موسی کا اس دعا میں اپنے آپکو اپنے بھائی کے ساتھ شامل کرنا اور یہ کہنا کہ اے خدا مجھے اور میرے بھائی کو مغفرۃ عطا کر اس بات پر شاہد ہے کہ وہ گناہوں کی معافی سے دعا نہ کر رہے تھے کیونکہ اتنا تو ہر ایک کو ماننا پڑیگا کہ حضرۃ موسی کسی طرح سے اس گوسالہ پرستی میں شامل نہ تھے بلکہ اسکا حال سنکر انکو سخت رنج پہنچا تھا۔ انکا استغفار جیسا اپنے لیے ہے ویسا ہی اپنے بھائی کے لیے ہے اور اس سے غرض صرف حفاظت الٰہی کا طلب کرنا ہے۔ کیا یہ ایک ورحیرت انگیز امر نہیں کہ اگر استغفار کے معنے گناہوں کی معافی کی درخواست کے سوا کچھ نہیں تو استغفار کی ضرورۃ حضرت موسی اور ہارون کے لیے تو ہو جو گوسالہ پرستی میں شامل نہیں ہوئے تھے اور اس ساری قوم کے لیے اسکی ضرورت نہ ہو۔ جو گوسالہ پرستی میں مبتلا ہوئی تھی

حضرۃ ابراہیم پر جھوٹھ کا الزام

پادری ماترو کہتا ہے کہ حضرۃ ابراہیم علیہ السلام تین مرتبہ جھوٹھ بولنے کے گناہ کے مرتکب ہوئے مگر یہ پادری صاحب جھوٹھ بول رہے ہیں کیونکہ قرآن شریف میں کہیں ذکر نہیں کہ حضرۃ ابراہیم نے جھوٹھ بولا۔ اس بیان کی تائید

میں وہ قرآن شریف کو پیش نہیں کرتا بلکہ حدیث کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ہم خیال نہیں کرتے کہ اسکو یہ علم نہ ہو کہ مسلمان حدیث کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اسکو معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی حدیث اہل اسلام کے نزدیک معتبر نہیں ہو سکتی جو قرآن شریف کے خلاف ہو۔ اب قرآن شریف تو حضرۃ ابراہیم کو صدیقاً نبیاً کا خطاب دیتا ہے یعنی نہایت ہی صادق نبی۔ اسکے مقابلہ میں کسی حدیث کو کسطرح معتبر مان سکتے ہیں جسمیں ایسے صادق کی طرف کذب منسوب کیا گیا ہو۔ کیونکہ حدیثوں میں بہت سا موضوعات کا بھی مجموعہ ہے اور اسلیے کوئی حدیث قابل سند نہیں جو قرآن کریم کے مخالف ہو۔ یہ کیتنی صاف بات ہی کہ قرآن کریم جو خدا کا پاک کلام ہے جھوٹھا نہیں ہو سکتا لیکن حدیث کو صحیح مانکر اُسکے راوی کو سچا اور حضرت ابراہیم کو جھوٹا ماننا پڑتا ہے حالانکہ حدیث کو جھوٹا مانکر صرف راوی کو جھوٹا ماننا پڑیگا۔ اب کون مسلمان ہے جو قرآن کریم کے الفاظ صدیقاً نبیاً کے باوجود بھی حضرۃ ابراہیم کو اسلیے جھوٹا مانے گا تاکہ حدیث کا ایک راوی سچا ثابت ہو۔ حضرۃ ابراہیم کے استغفار سے یہ معنی نکالنا جیسا کہ بہت دفعہ ثابت کیا جاچکا ہی محض بے وقوفی ہے۔ علاوہ اسکے عیسائیونکو کوئی عذر تلاش کرنا پڑیگا جس سے حضرۃ عیسے مومنین کی جماعۃ میں سے خارج ہو جائیں کیونکہ حضرۃ ابراہیم نے اپنے لیے ہی استغفار طلب نہیں کیا بلکہ کل مومنین کی جماعت کیلیے جو دنیا میں ہوے یا ہونیوالے تھے۔

اگرچہ ایسی ضرورۃ تو نہیں مگر ہم یہاں ان امور پر بھی غور کرتے ہیں جنکی نسبت حضرۃ ابراہیم کیطرف کذب منسوب کیا جاتا ہے۔ سب سے اول کہا جاتا ہے کہ حضرۃ ابراہیم نے یہ کہتے ہیں کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ جو جھوٹ بولا ہم حیران ہیں کہ اسمیں کیا جھوٹھ ہے کس معتبر ڈاکٹر نے حضرۃ ابراہیم کی اسوقت کی حالت کو دیکھکر یہ کہا تھا کہ حضرۃ ابراہیم اپنے آپکو بیمار کہنے میں سچے نہیں ہیں اگر کوئی آدمی کہے کہ میں بیمار ہوں تو کون شخص اسمیں شک کر سکتا ہے پھر حضرۃ ابراہیم پر کیوں ان الفاظ کی بنا پر ایک جھوٹی تہمت لگائی جاتی ہے دوسرا موقعہ جسکے متعلق حضرۃ ابراہیم پر جھوٹھ کی تہمت لگائی جاتی ہے حضرت ابراہیم کا یہ قول ہے بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا اصل بات یہ تھی کہ بُت پرستوں نے حضرت ابراہیم کو پوچھا کہ تونے ہمارے بُت توڑے ہیں جس کے جواب میں آپ نے یہ فرمایا۔ ان الفاظ کے مختلف معنی مفسرین نے کیے ہیں اور انمیں سے ہر ایک حضرۃ ابراہیم کو جھوٹھ کی تہمت سے بری ٹھیراتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ فَعَلَهٗ کے بعد وقفہ ہے۔ اسلیے اس فعل کا فاعل اسی میں مقدر ماننا پڑیگا اور معنی یہ کرینگے کہ کیا جسنے کیا اور كَبِيْرُهُمْ هٰذَا الگ جملہ ہوگا کہ یہ انمیں کا بڑا موجود ہے۔ چونکہ فعل اور فاعل کے درمیان اسطرح وقفہ نہیں آیا کرتا

اسلیے یہ معنی نہایت صحیح اور اقرب الی الفہم ہیں۔ اگر کبیرھم کو فعلہ کا فاعل بھی مان لیا جاوے تب بھی حرج لازم نہیں آتا کیونکہ اس سے حضرت ابراہیم کا منشا کسی امر کو چھپانیکا نہ تھا بلکہ صرف بت پرستونکو انکی بیوقوفی کیطرف توجہ دلانیکا تھا۔ کہ ایکطرف تو وہ اسبات کو مانتے تھے کہ انکے بتوں میں وہ طاقتیں ہیں جن سے زمین و آسمان کے کاروبار چل رہے ہیں اور دوسری طرف سب سے بڑے بت میں اسقدر طاقت بھی تسلیم نہ کرسکتے تھے کہ وہ چھوٹونکو توڑ سکے اگر اسکو جھوٹھ کہا جاوے تو اسکی غرض صرف اپنے قصور کا اخفا ہو سکتی تھی۔ لیکن حضرۃ ابراہیم نے کبھی اپنے اس فعل کو چھپانا نہیں چاہا بلکہ وہ عام مجلس میں تمام مشرکین کو مخاطب کرکے علانیہ کہہ چکے تھے **تَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ** کہ خدا کی قسم میں ان تمہارے بتوں سے جنگ کرونگا جس سے صاف انکا منشا یہ تھا کہ میں انکو توڑ ڈالونگا۔ انکے اسی علانیہ اظہار کی وجہ سے بت پرستونکو پتہ بھی لگ گیا تھا کہ انکا توڑنیوالا سوائے ابراہیم کے اور کوئی نہیں پھر انکے کیا معنے ہوسکتے ہیں۔ تیسرا موقعہ جسکی نسبت اس صادق پر جھوٹھ کی تہمت لگائی جاتی ہے اسکا ذکر قرآن شریف میں نہیں۔ یہ حضرۃ ابراہیم کے اس بیان کے متعلق ہے کہ سائرہ میری بہن ہے جسکا ذکر کتاب پیدائش میں ہے۔ مگر اسی کتاب کے باب ۲۰ آیت ۱۲ میں صاف لکھا ہے کہ "وہ یعنی سائرہ میری بہن بھی ہے کیونکہ وہ میری ماں کی لڑکی تو نہیں مگر باپ کی لڑکی ہے" پھر اسکو بہن کہنے میں جھوٹھ ہی کیا ہوسکتا ہے۔

اس سے معلوم ہوگا کہ حضرۃ ابراہیم تو کبھی جھوٹھ کے مرتکب نہیں ہوئے اور قرآن کریم ایسے عقیدہ کو رد کرتا ہے لیکن جب ہم انجیلونکو پڑھتے ہیں تو ہمیں کئی موقعہ پر یسوع کے جھوٹھ بولنے کا ذکر ہے اب یہ مشکل ہے کہ اگر اناجیل کو سچی تسلیم کیا جاوے تو یسوع کو جھوٹھا ماننا پڑتا ہے لیکن اگر یسوع کو سچا مانا جائے تو انجیلونکو جھوٹھا ماننا پڑتا ہے۔ شاید پادری مانرو صاحب اس مشکل کو دور کرسکیں اور امید ہے کہ وہ ضرور اس معاملہ پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کرینگے۔ مثلاً **متی** ۲۳/۴۳ میں یسوع چور کو کہتا ہے کہ "آج تو میرے ساتھ بہشت میں ہوگا" لیکن اسے علم تھا کہ وہ خود دوزخ کو جائیگا اور چور کو اپنے ساتھ بہشت میں لیجانا محض جھوٹھ تھا **یوحنا** ۲۰/۱۷ میں قبر سے نکلنے کے بعد مسیح کہتا ہے کہ میں ابھی اپنے باپ پاس نہیں چڑھا ہوں اور عیسائی اعتقاد کے مطابق وہ چالیس روز تک دوزخ میں رہا یا زمین پر رہا بہشت میں نہیں گیا۔ ایک اور مثال جس میں یا یسوع کو جھوٹا ماننا پڑتا ہے یا انجیلونکو **متی** ۱۶/۲۸ میں درج ہے جہاں لکھا ہے کہ "ان میں سے جو یہاں کھڑے ہیں بعض موت کا مزہ نہ چکھیں گے جبتک کہ وہ ابن آدم کو اپنی سلطنت میں آتے نہ دیکھ لیں" اب تمام دنیا مانتی ہے کہ یہ جھوٹھ ہے اور پادریوں کا اختیار ہے کہ جسکی طرف چاہیں اس جھوٹھ کو منسوب کریں

اس میں جلدی جواب دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ سخت زد یا یسوع پر واقع ہوتی ہے یا انجیلوں پر۔ اسلیئے پادری صاحبان غور کے بعد جواب دیں۔ پھر ایک موقعہ پر یسوع نے اپنے حواریوں کو یہ کہا کہ وہ باراں کے باراں ہی باراں تختوں پر بیٹھیں گے اور انہیں باراں میں یہودا اسکریوطی بھی شامل تھا۔ اب انجیلوں سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یسوع کو یہ علم بھی تھا کہ یہودا اسکو پکڑوائیگا اور لعنتی اور شیطان کا فرزند ہو جائیگا اس لیئے ایسے آدمی کو تخت کا وعدہ دینا جھوٹھ تھا جو یسوع نے بولا۔ اور بھی کئی مثالیں پیش کیجا سکتی ہیں۔ لیکن پہلے انکے متعلق پادری مانرو کے جواب سنکر پھر ہم اور پیش کرینگے ہم اُمید کرتے ہیں کہ پادری صاحبان کے جواب میں تامل سے کام نہ لیں گے۔ (باقی آئیندہ)

کیا سب مذاہب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوسکتے ہیں

مندرجہ ذیل چٹھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک پُرانے ہندو دوست کے خط کے جواب میں لکھی جس نے اپنے خط میں اپنا یہ مذہب ظاہر کیا تھا کہ سب مذہب خدا کی طرف سے ہی ہیں اسلیئے ہر ایک مذہب پر چلکر انسان خدا کو پا سکتا ہے۔ چٹھی یہ ہے

آپ نے اپنے خط میں کچھ مذہبی رنگ میں بھی نصائح تحریر فرمائی تھی مجھکو اس بات سے بہت خوشی ہوئی کہ آپکو اس عظیم الشان پہلو سے بھی دلچسپی ہے درحقیقت چونکہ دنیا ایک مسافر خانہ ہے اور تھوڑی دیر کے بعد ہم سب لوگ اصلی گھر کی طرف واپس کیے جائینگے اسلیئے ہر ایک کا یہی فرض ہونا چاہیے کہ دین اور آئندہ اور عقائد کے معاملہ میں پوری غور سے سوچے پھر جس طریق کو خدا تعالیٰ کی رضامندی کے مطابق پاوے اُسکے اختیار کرنے میں کسی ذلت اور بدنامی سے نہ ڈرے اور نہ اہل وعیال اور خویشوں اور فرزندوں کی پرواہ رکھے۔ ہمیشہ صادقوں نے ایسا ہی کیا ہے اور سچائی کے اختیار کرنے میں اُنھوں نے بڑے بڑے دُکھ اُٹھائے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ خواہ عقائد ہوں یا اعمال دو حال سے خالی نہیں یا سچے ہوتے ہیں یا جھوٹھے۔ پھر جھوٹھ کو اختیار کرنا دھرم نہیں ہے۔ مثلاً وید کیطرف یہ ہدایت منسوب کیجاتی ہے کہ اگر کسی عورت کی چند سال تک بیٹیاں ہوں یا بیٹیاں ہی ہوں تو اُسکا خاوند اپنی اُس عورت کو دوسرے سے ہم بستر کرا سکتا ہے اور ایسا سلسلہ اُسوقت تک جاری رہ سکتا ہے جبتک ایک بیگانہ مرد کے نطفہ سے گیاراں فرزند نرینہ پیدا ہو جائیں۔ اور شاکت مت میں جو وید کیطرف ہی اپنے تئیں منسوب کرتے ہیں یہ ہدایت ہے کہ اُن کے خاص مذہبی میلہ میں ماں اور بہن سے بھی جماع درست ہے اور ایک شخص دوسرے شخص کی عورت سے زنا کر سکتا ہے اسی طرح دنیا میں ہزارہا ایسے مذہب ہیں کہ اگر

ان کا ذکر کیا جائے تو آپ انگشت بدنداں رہیں گے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ انسان صلح کاری اختیار کر کے ان لوگوں کی ہاں میں ہاں ملاوے۔ ایسا ہی عقائد کا حال ہے بعض لوگ دریاؤں کی پوجا کرتے ہیں بعض لوگ آگ کی بعض سورج کی بعض چاند کی بعض درختوں کی بعض سانپوں اور بلیوں کی اور بعض انسانوں کو درحقیقت خدا سمجھتے ہیں تو کیا ممکن ہے کہ ان سب کو راستباز سمجھا جاوے۔

جو لوگ دنیا کی اصلاح کے لیے آتے ہیں انکا فرض ہوتا ہے کہ سچائی کو زمین پر پھیلاویں اور جھوٹھ کی بیخکنی کریں۔ وہ سچائی کے دوست اور جھوٹھ کے دشمن ہوتے ہیں مثلاً اگر کسی راستباز کو چند ڈاکو یا اچکے یا چور یہ ترغیب دیں کہ بذریعہ ڈاکہ یا کیسہ بری یا نقب زنی کے کوئی مال حاصل کرنا چاہیے تو کیا جائز ہوگا کہ وہ راستباز انکے ساتھ ہو کر ایسے جرائم کا ارتکاب کرے۔ پس مذہب کس چیز کا نام ہے اسی بات کا نام تو مذہب ہے کہ جو عقائد یا اعمال برے اور گندے اور ناپاک ہوں انسے پرہیز کیا جاوے اور ایسی کتابیں جو ناپاک عقائد یا اعمال سکھلاتی ہیں انکو اپنا پیشوا اور رہبر نہ بنایا جاوے۔ میں اس بات کو کسطرح سمجھ نہیں سکتا کہ ہر ایک مذہب سے صلح رکھی جاوے اور انکی ہاں میں ہاں ملائی جائے کیونکہ اگر ایسا کیا جاوے تو دنیا میں کوئی بدی بدی نہیں رہیگی اور ہر ایک قسم کے بدعقاید اور بداعمالیاں نیکیوں میں داخل ہو جائینگی حالانکہ جو شخص ایک نظر دنیا کے مذاہب پر ڈالے تو اسکو معلوم ہو جائیگا کہ خداشناسی کے بارے میں ہی کئی عقاید ہیں بعض ناستک مت یعنی دہریہ ہیں وہ خدا کے قائل نہیں ہیں اور بعض انسانوں یا حیوانوں یا اجرام سماوی یا عناصر کو خدا بناتے ہیں خاصکر یہ سماجی جو اپنے تئیں ویدوں کے وارث ٹھیراتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک ذرہ بھی پیدا نہیں کیا۔ اور نہ ارواح پیدا کیے بلکہ یہ تمام چیزیں اور انکی تمام قوتیں خود بخود ہیں پرمیشر کا انہیں کچھ بھی دخل نہیں۔ مگر مجھے اسجگہ ان باتوں کے بیان کرنے سے صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ایک راستباز کے لیے ممکن نہیں کہ ان تمام متناقض امور کو مان لے اور ان پر ایمان لے آوے جن لوگوں نے خدا تعالی کی عظمت اور توحید اور قدرۃ کاملہ پر داغ لگایا ہے یا بدکاری کو جائز رکھا ہے میں اسجگہ نہ انکی نسبت اور نہ انکی کتاب کی نسبت کچھ کہنا چاہتا ہوں صرف آپکو یاد دلاتا ہوں کہ انسان کیلیے ممکن نہیں کہ ناپاک کو بھی ایسا ہی تسلیم کرے جیسا کہ پاک کو کرتا ہے یہ سچ ہے کہ پاک ہونے سے خدا ملتا ہے لیکن ان ایسے طریقوں سے جو ناپاک عقاید اور ناپاک اعمال پر مشتمل ہیں کیونکر خدا مل سکتا ہے یہ سچ ہے کہ خدا تعالی سے محبت کرنا بہشتی زندگی تک پہنچاتا ہے لیکن جو شخص راجہ رامچندر یا راجہ کرشن یا حضرۃ عیسے کو خدا سمجھتا ہے یا خدا کے قیوم کو ایسا عاجز اور ناقص خیال کرتا ہے کہ ایک ذرہ یا ایک روح کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں وہ کیونکر اس پاک ذوالجلال کی حقیقی محبت سے حصہ لے سکتا ہے۔ حقیقی اور سچے خدا کو اسکی پاک اور کامل صفات

کے ساتھ جاننا اور اُسکی پاک راہوں کے مطابق چلنا یہی حقیقی نجات ہی اور اس حقیقی نجات کے مخالف جو
طریق ہیں وہ سب گمراہی کے طریق ہیں پھر کیونکر ان طریقوں میں پھنسے رہنے سے انسان حقیقی نجات پاسکتا ہی۔
دنیا میں اکثر یہ واقعہ مشہود ہے کہ ہر ایک شخص اُن خیالات پر بہت بھروسہ رکھتا ہے جن خیالات میں
اُسنے پرورش پائی ہے۔ یا جن کے سُننے کا اسکو بہت موقعہ ملا ہے چنانچہ ایک عیسائی بے تکلف کہدیتا
ہے کہ عیسی ہی خدا ہے اور ایک ہندو اسبات کے بیان کرنے سے کچھہ شرم نہیں کرتا کہ رام چندر اور کرشن
درحقیقت خدا ہیں یا دریائے گنگ اپنے پرستاروںکو مرادیں دیتا ہے یا اُنکا ایک ایسا خدا ہے جسنے
کچھہ بھی پیدا نہیں کیا صرف موجودہ اجسام اور ارواح کو جو کسی اتفاق سے خود بخود اور قدیم سے چلے آتے
ہیں جوڑنا اس کا کام ہے لیکن یہ تمام بھروسے بے اصل ہیں انکے ساتھہ کوئی دلیل نہیں زندہ خدا کو تلاش
کرنا نجات کے طالب کا اصول ہونا چاہیے۔ دنیا رسوم اور عادات کی قید میں ہے ہر ایک شخص جو کسی
مذہب میں پیدا ہوتا ہے اکثر بہر حال اسکی حمایت کرتا ہے لیکن یہ طریق صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ بات ہی کہ جس
مذہب کی رو سے زندہ خدا کا پتہ مل سکے اور بڑے بڑے نشانوں اور معجزات سے ثابت ہو کہ وہی خدا ہے
اُس مذہب کو اختیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر درحقیقت خدا موجود ہے۔ اور اسکی ذات کی قسم کہ درحقیقت
وہ موجود ہے۔ تو یہ اس کا کام ہے کہ بندوں پر اپنے تئیں ظاہر کرے۔ اور انسان جو محض اپنی اٹکلوں سے
خیال کرتا ہے کہ اس جہان کا ایک خدا ہے وہ اٹکلیں سچی تسلی دینے کے لیے کافی نہیں اور جیسا کہ ایک محجوب
اُن روپیوں پر بھروسہ کرتا ہے جو اُسکے صندوق میں بند ہیں اور اُس زمین پر جو اُسکے قبضہ میں ہی اور ان
باغات پر جو ہمیشہ صدہا روپیہ کی آمدنی نکالتے ہیں اور اُن لائق بیٹوں پر جو بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز
ہیں اور ماہ بماہ اپنے باپ کو ہزارہا روپے سے مدد کرتے ہیں وہ محجوب ایسا بھروسہ خدا تعالی پر ہرگز
نہیں کرسکتا۔ اس کا کیا سبب ہی یہی سبب ہی کہ اُسپر حقیقی ایمان نہیں۔ ایسا ہی ایک غافل جیسا
کہ طاعون سے ڈرتا ہے اور اُس گاؤں میں داخل نہیں ہوتا جو طاعون سے ہلاک ہو رہا ہے اور جیسا
کہ وہ سانپ سے ڈرتا ہے اور اُس سوراخ میں ہاتھہ نہیں ڈالتا جس میں سانپ ہو یا سانپ ہونیکا گمان
ہو اور جیسا کہ وہ شیر سے ڈرتا ہے اور اس بن میں داخل نہیں ہوتا جس میں شیر ہو۔ ایسا وہ خدا سے نہیں ڈرتا
اور دلیری سے گناہ کرتا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ وہ اگرچہ زبان سے کہتا ہے مگر دراصل خدا تعالی سے غافل
اور بہت دور ہے۔ خدا تعالے پر ایمان لانا کوئی امر سہل نہیں ہے بلکہ جبتک خدا تعالی کے کھلے کھلے
نشان ظاہر نہ ہوں اسوقت تک انسان سمجھہ بھی نہیں سکتا کہ خدا بھی ہے گو تمام دنیا اپنی زبان سے

کہتی ہے کہ ہم خدا پر ایمان لائے مگر اُن کے اعمال گواہی دے رہی ہیں کہ وہ ایمان نہیں لائے سچا ایمان تجربہ کے بعد حاصل ہوتا ہے مثلاً جب انسان بار بار کے تجربہ سے معلوم کر لیتا ہے کہ سم الفار ایک زہر ہے جو نہایت قلیل مقدار اُسکی قاتل ہے تو وہ سم الفار کھانے سے پرہیز کرتا ہے تب اُس وقت کہہ سکتے ہیں کہ وہ سم الفار کے قاتل ہونے پر ایمان لایا۔ سو جو شخص کسی پہلو سے گناہ میں گرفتار ہے وہ ہنوز خدا پر ایمان ہرگز نہیں لایا اور نہ اُسکو شناخت کیا۔

دنیا بہت سی فضولیوں سے بھری ہوئی ہے اور اکثر لوگ ایک جھوٹھی منطق پر راضی ہو رہے ہیں۔ مذہب وہی ہے جو خدا تعالیٰ کو دکھلاتا ہے اور خدا سے ایسا قریب کر دیتا ہے کہ گویا انسان خدا کو دیکھتا ہے اور جب انسان یقین سے بھر جاتا ہے تو خدا تعالیٰ سے اُس کا ایک خاص تعلق ہو جاتا ہے وہ گناہ سے اور ہر ایک ناپاکی سے خلاصی پاتا ہے اور اس کا سہارا صرف خدا ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اپنے خاص نشانوں سے اور اپنی خاص تجلی سے اور اپنے خاص کلام سے اس پر ظاہر کر دیتا ہے کہ میں موجود ہوں۔ تب اس روز سے وہ جانتا ہے کہ **خدا ہے** اور اسی روز سے وہ پاک کیا جاتا ہے اور اندرونی آلائشیں دور کیجاتی ہیں یہی معرفت ہے جو بہشت کی کُنجی ہے مگر یہ بغیر اسلام کے اور کسیکو بھی میسر نہیں آتی۔ یہی خدا تعالیٰ کا ابتدا سے وعدہ ہے جو وہ انھیں پر ظاہر ہوتا ہے جو اُسکے پاک کلام کی پیروی کرتے ہیں تجربہ سے زیادہ کوئی گواہ نہیں پس جبکہ تجربہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ خدا اپنے تئیں بجز اسلام کے کسی پر ظاہر نہیں کرتا اور کسی سے ہمکلام نہیں ہوتا اور کسیکی اپنے زبردست معجزات سے مدد نہیں کرتا تو ہم کیونکر مان لیں کہ دوسرے مذاہب میں ایسا ہو سکتا ہے۔

ابھی تھوڑے دن کی بات ہے کہ لیکھرام نامی ایک برہمن جو آریہ تھا قادیان میں میرے پاس آیا اور کہا کہ وید خدا کا کلام ہے اور قرآن شریف خدا کا کلام نہیں ہے۔ میں نے اُسکو کہا کہ چونکہ تمھارا دعویٰ ہے کہ وید خدا کا کلام ہے مگر میں اسکو اسکی موجودہ حیثیت کے لحاظ سے خدا کا کلام نہیں جانتا کیونکہ اس میں شرک کی تعلیم ہے اور کئی اور ناپاک تعلیمیں ہیں۔ مگر میں قرآن شریف کو خدا کا کلام جانتا ہوں کیونکہ اسمیں نہ شرک کی تعلیم ہے اور نہ کوئی اور ناپاک تعلیم ہے اور اسکی پیروی سے زندہ خدا کا چہرہ نظر آجاتا ہے اور معجزات ظاہر ہوتے ہیں پس بہت سہل طریق یہ ہے کہ تم وید والے خدا سے میری نسبت کوئی پیشگوئی کرو اور میں قرآن شریف والے خدا سے وحی پاکر کوئی پیشگوئی کرونگا۔ پس اسنے میری نسبت یہ پیشگوئی کی کہ یہ شخص تین برس تک ہیضہ کی بیماری سے مر جائیگا اور میرے خدا نے یہ ظاہر کیا کہ چھ برس تک لیکھرام بذریعہ قتل

نابود ہو جائیگا کیونکہ وہ خدا کے پاک نبی کی بے ادبی میں حد سے گذر گیا۔ اور میرے پر ظاہر کیا گیا کہ وہ جس دن مریگا اُسکے ساتھ مسلمانوں کی عید کا دن ہوگا اور میرے پر ظاہر کیا گیا کہ اسکے مرنے کے تھوڑی مدت کے بعد پنجاب میں طاعون پھیل جائیگی یہ تمام پیشگوئی مینے اپنی کتابوں میں بار بار شائع کردی اور یہ بھی شائع کردیا کہ اگر وید درحقیقت خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اب آریہ سماج والوں کو چاہیئے کہ لیکھرام کی نسبت اپنے پرمیشر سے بہت دعا کریں تا وہ اُسکو بچالے کیونکہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے کہ ان کا پرمیشر اسکو بچا نہیں سکے گا اور ایسا ہی لیکھرام نے بھی میری نسبت اپنی کتاب میں شائع کردیا کہ یہ شخص تین برس میں ہیضہ کی بیماری سے فوت ہو جائیگا۔ آخر لیکھرام اپنے قتل ہو جانے سے گواہی دیگیا کہ وید خدا کی طرف سے نہیں ہے۔

اسی طرح نہ ایک نشان بلکہ ہزارہا نشان ظاہر ہوئے جو انسان کی طاقت سے بالاتر ہیں جنسے روز روشن کی طرح کھلگیا کہ دین اسلام ہی دنیا میں سچا مذہب ہے اور سب انسانوں کے اختراع ہیں اور یا کسی وقت سچے تھے اور بعد میں وہ کتابیں بگڑ گئیں۔ ایعزیز ہم آپ کی باتوں کو جو کوئی روشن دلیل ساتھ نہیں رکھتیں کیونکر مان لیں آپنے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف دعویٰ ہے جسکے ساتھ کوئی دلیل نہیں۔ دنیا میں ایک ادنی مقدمہ بھی جب کسی عدالت میں پیش ہوتا ہے تو ثبوت کے سوائے کسی حاکم کے نزدیک قابل سماعت نہیں ہوتا اور ایسا مدعی ڈگری حاصل نہیں کرسکتا تو پھر نہ معلوم آپ ان خیالات پر کیونکر بھروسہ رکھتے ہیں جنکے ثبوت نہیں خدا ایک ہے اور اُسکی مرضی ایک ہی ہے پھر وہ کیونکر متناقض امور کا مصداق ہو سکتا ہے اور کیونکر ہم ان سب باتوں کو سچی مان سکتے ہیں کہ عیسیٰ خدا ہے اور رامچندر خدا ہے اور کرشن خدا ہے اور یا کہ خدا ایسا عاجز ہے کہ ایک ذرہ بھی اُسنے پیدا نہیں کیا۔ وہ مذہب قبول کے لائق ہے جو ثبوت کا روشن چراغ اپنے ساتھ رکھتا ہے اور وہ اسلام ہے اگر آپ یہ کہیں کہ جو زبردست نشان اور معجزات اسلام میں ظاہر ہوتے ہیں وہ کسی دوسرے مذہب میں بھی ہوتے ہیں تو ہم آپ کی ابیات کو بشوق سنیں گے بشرطیکہ آپ اس کا ثبوت دیں مگر یاد رکھیں کہ یہ آپکے لئے ہرگز ممکن نہیں ہوگا کہ اس زمانہ میں کوئی ایسا زندہ شخص بھی دکھلا سکیں کہ وہ برکات اور آسمانی نشان جو مجھے ملے ہیں ان میں وہ مقابلہ کرکے دکھلاوے اب میں آپ کے بعض خیالات کی غلطی کو رفع کرتا ہوں۔

قول آنعزیز۔ خدا نے کافر اور مومن کو اس دنیا میں یکساں حصہ بخشا ہے **اقول** چونکہ خدا نے ہر ایک کو اپنی طرف بلایا ہے اسلئے سبکو ایسی توفیق بخشی ہے کہ اگر وہ ان قوتوں کو ٹھیک طور پر

استعمال کریں تو منزل مقصود تک پہنچ جائیں مگر تجربہ سے ثابت ہے کہ بجز اسکے کہ کوئی اسلام پر قدم مارے ہر ایک شخص ان قوتوں کو بے اعتدالی سے استعمال میں لاتا ہے اور منزل مقصود تک نہیں پہونچتا۔

قول آنعزیز۔ بہت مشکل ہے کہ تمام لوگ ایک ہی مذہب پر چلیں۔ **اقول** سچے طالب کے لیے ہر ایک مشکل سہل کی جاتی ہے۔

قول آنعزیز۔ اگرچہ ریل پر چلنے والے بہت آرام پاتے ہیں لیکن اگر کوئی پیادہ پا سفر اختیار کرے تو ریل والے اسکو کافر نہیں کہتے۔ **اقول** یہ قول دینی معاملہ پر چسپاں نہیں ہو اور قیاس مع الفارق ہے۔ خدا کے ملنے کی ایک خاص راہ ہے یعنی معجزات اور نشانوں سے یقین حاصل ہونا اسی پر تزکیہ نفس اور سچا ایمان موقوف ہے جسکو خدا پر یقین ہی نہیں وہ کیونکر اُس تک پہنچ سکے اور کیونکر سچا ایمان حاصل ہو پس اسجگہ دنیا کی راہوں کی طرح دوسرا کوئی راہ نہیں ہے صرف ایک ہی راہ ہے کہ خدا پر یقین حاصل ہو اسی پر تزکیہ نفس موقوف ہے اور یقین کے اسباب بجز اسلام کے کسی مذہب میں نہیں۔

قول آنعزیز خدا بے انت ہے سو ہم بے انت کو اُسی وقت محسوس کر سکتے ہیں جب پابندی شرع سے باہر ہو جائیں۔ **اقول** شرع عربی لفظ ہے جسکے معنی ہیں راہ یعنی خدا کے پانیکی راہ پس آپکے کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ جب ہم خدا کے پانے کی راہ چھوڑ دیں تب ہمیں خدا ملے گا اب آپ خود سوچ لیں کہ یہ کیسا معقولہ ہے۔

قول آنعزیز ذات پات پوچھے نہ کو + ہر کو بھجے سو ہر کا ہو + **اقول** یہ سچ بات ہے اس سے اسلام بحث نہیں کرتا کہ کس قوم اور کس ذات کا آدمی ہے جو شخص راہ راست طلب کریگا خواہ وہ کسی قوم کا ہو خدا اُسے ملے گا مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ خواہ کسی مذہب کا پابند ہو خدا کو مل سکتا ہے کیونکہ جبتک پاک مذہب اختیار نہیں کریگا تب تک خدا ہرگز نہیں پائیگا۔ مذہب اور چیز ہے اور قوم اور چیز۔

قول آنعزیز۔ یہی وجہ ہے کہ پیروان وید نے کسی شخص کی پیروی نجات کے لئے محصور نہیں رکھی۔ **اقول** جس شخص کے نزدیک وید کے مؤلف کی پیروی نجات کے لیے محصور نہیں وہ وید کا مکذب ہے۔ آپ خود بتلائیں کہ اگر مثلاً ایک شخص وید کے اصولوں اور تعلیموں کو نہیں مانتا نہ نیوگ کو مانتا ہے نہ اس بات پر راضی ہوتا ہے کہ اولاد کی خواہش کے لیے اپنی زندگی میں اپنی جورو کو دوسرے سے ہم بستر کراوے اور یا وہ اس بات کو نہیں مانتا کہ پرمیشر نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا

اور تمام روحیں اپنے اپنے وجود کی آپ ہی خدا ہیں! اور یا وہ اگنی وایو سورج وغیرہ کی پرستش کو نہیں مانتا غرض وہ ہر طرح وید کو ردی کی طرح خیال کرتا ہے۔ یہانتک کہ جس پرمیشر کو وید نے پیش کیا ہے اُسکو پرمیشر ہی نہیں جانتا تو کیا ایسے آدمی کے لیے نجات ہے یا نہیں۔ اگر نجات ہے تو آپ وید سے ایسی شرتی پیش کریں جو ان معنوں پر مشتمل ہو اور اگر نجات نہیں تو پھر آپکا یہ قول صحیح نہ ہوا کیونکہ ہم لوگ بھی تو صرف اسقدر کہتے ہیں کہ جو شخص قرآن شریف کی تعلیم کو نہیں مانتا اُسکو ہرگز نجات نہیں اور اس جہان میں وہ اندھے کی طرح بسر کریگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

یعنی قرآن نے جو دین اسلام پیش کیا ہے جو شخص قرآنی تعلیم کو قبول نہیں کریگا وہ مقبول خدا ہرگز نہ ہوگا اور مرنیکے بعد وہ زیانکاروں میں ہوگا۔ یہ کہنا کہ کسی شخص کی پیروی وید کی رو سے درست نہیں یہ غلط ہے جب اسکی کتاب کی پیروی کی تو خود اُسکی پیروی ہوگئی اگر ہندو صاحبان وید کی پیروی نہیں کرتے تو پھر وید کو پیش کیوں کرتے ہیں۔

قول آنعزیز۔ ہر ملت اور مذہب میں صاحب کمال گذرے ہیں۔ **اقول۔** مادہ موجودہ میں بطور ثبوت کے کسی صاحب کمال کو پیش کرنا چاہیے کیا آپ کے نزدیک پنڈت لیکھرام صاحب کمال تھا یا نہیں جسکو آجتک آریہ سماجی لوگ روتے ہیں

میں نے آنمحب کی دلجوئی کے لیے باوجود کم فرصتی کے یہ چند سطریں لکھی ہیں اُمید کہ اسپر غور فرمائیں گے۔

خاکسار غلام احمد از قادیان ۱۴ر جون سنہ ۱۹۰۳ء

انجام مقدمات کی نسبت پیشگوئی
از حضرت مسیح موعود

۲۹ر جون سنہ ۱۹۰۳ء - ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔ فیہ آیات للسائلین

تفصیل کے لیے دیکھو ٹائٹل پیج کے اندر کا صفحہ

ریویو آف ریلیجنز

انگریزی وار دو میں ہر ماہ کی ۲۰ کو ۴۰ یا زیادہ صفحوں پر شائع ہوتا ہے اور اس کے مضامین تین قسم کے ہوتے ہیں۔ مذاہب باطلہ (جنمیں سب سے بڑھ کر عیسائی مذہب ہے) کی تردید قرآن کریم کی حقانیت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوۃ پر دلائل۔ اسلام پر جو اعتراض یا شکوک ہوں اُن کا رفع کرنا۔ مضامین عموماً حضرت میرزا غلام احمد صاحب کے ہوتے ہیں۔

قیمت	انگریزی رسالہ	سالانہ مع محصول ڈاک	للعہ	فی پرچہ ۴ر
″	اردو رسالہ	″	معمولی کاغذ عاہ	″ ۳ر
″	″	″	ولایتی کاغذ سے	″ ۴ر

پیشگی قیمت آنے پر جاری ہو سکتا ہے۔ یا پہلا پرچہ بذریعہ وی پی سالانہ یا ششماہی قیمت کی وصولی کے لیے بھیجا جا سکتا ہے۔ یہ رسالہ تجارتی اشتہارات کے لیے بھی کھلا ہے بشرطیکہ وہ ہر ایک قسم کے فحش اور مبالغہ سے پاک ہوں اُجرت اشتہارات کا نقشہ حسب ذیل ہے۔ فی سطر ۲ر۔

	پورا صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
سالانہ	غہ	ہہ	ہے
ششماہی	ہہ	ہے	سے
سہ ماہی	ہے	سے	للعہ

رسید زر

انہ ۱۶ جون لغایت ۱۲ جولائی

۶۳ میرزا افضل بیگ صاحب عا ۸۵ خواجہ کرم داد صاحب عا ۴۳ میرزا ناصر نواب صاحب عہ ۸۲۶ محمد عاشق صاحب عا

۲۰ راجہ شیر محمد خان صاحب معہ ۴۱ ڈاکٹر رحمت علی صاحب ے ۶۲۹ شیخ ضیاء اللہ صاحب ۸ر ۶۲۹ شیخ ضیاء اللہ صاحب ۸ر

۸۶ حافظ نور محمد صاحب عا ۵۰ سید غلام محمد صاحب ۲ر ۳۸ مولوی محمد فاضل صاحب عا ۶۰ مستری علی بخش صاحب ہے

۴۱ خلیفہ نور الدین صاحب عا ۸۰ عبد الکریم صاحب عا ۱۵۳ ڈاکٹر شیر یار خان صاحب عہ ۴۴ بابو اللہ دتا صاحب ہے

✻ سوائے وی پی کے جو روپیہ صرف اردو یا اردو اور انگریزی رسالہ کی قیمت میں وصول ہوا کرے گا اسکی رسید اسجگہ دی جایا کرے گی جو روپیہ بسبیل وی پی وصول ہوگا یا جو صرف انگریزی رسالہ کی قیمت میں وصول ہوگا اسکی رسید اسجگہ نہیں دیجائے گی۔

جُوبِ جواہر - مشک عنبر مونگا موتی یاقوت اور بیش قیمت جواہرات سے خاص تیار ہوتی ہیں۔ انسان کی زندگی تندرستی اور طاقت کیلئے ایسی بہتر کوئی دوا نہیں۔ امراض قلب و اعضاء گردہ مثانہ و فساد خون کے رفع کرنے میں بے مثل ہیں۔ معدہ کو درست اور خون کو زہریلے مواد سے صاف اور تمام جسم اعضاء کو قوی اور مضبوط کرتی ہیں۔ وبائی اور زہریلی بیماریوں کو روک دیتی ہیں۔ طبیعت میں تفریح اور خاطر خواہ نشاط پیدا ہو جاتی ہیں عقل

عجیب و غریب مرہم عیسیٰ - اگر دنیا بھر میں سب سے بڑھ کر تاثیر بہتر ہے تو ہر قسم کے زخموں جراحتوں پھوڑوں گلٹیوں خنازیر سرطان طاعون و ہر ایک قسم کے جنت زہریلے پھوڑوں پھنسیوں ناسوروں بواسیر گنج خارش اور طرح طرح کی جلدی بیماریوں کو ہاتھ کے ہاتھ دیسی بہت جلد جانور کے کاٹے لیسے جلے عورتوں کے خطرناک سرطان رحم وغیرہ کیلئے صدہا سال کا مجرب ہر طبقہ کے حکما کا متفقہ و مجربہ یا برکت علاج چاہتے ہیں تو یہ بابرکت مرہم ضرور اس کارخانہ سے منگائیے جو اسکو خالص اجزا سے طیار کرنیکا ذمہ دار ہے طبی جہان اسکی کامیاب تاثیرات کا ممنون ہے قیمت فی ڈبیہ ۱۲

پاکٹ کیس ادویات۔ اکثر جانیں طبیب اور علاج کے بروقت نہ پہنچنے سے سخت تکلیف برداشت کرتی اور بعض وقت یکسر ہلاک ہو جاتی ہیں ایسی حالت کو دیکھکر ہم نے یہ پاکٹ کیس تیار کیا ہے اور اسمیں مختلف پچاس ساٹھ بیماریوں کی جنکی اکثر شکایت رہتی ہے وہ زود اثر صحیح مجرب ادویہ رکھی ہیں جنسے بڑھکر ڈاکٹری اور یونانی طب ثابت نہیں کر سکی اور یہ کیس ایسا بنایا گیا ہے کہ جیب میں رہ سکے اور ترکیب اسکے ہمراہ ہے اس طرح سے ایسی آسانی ہو گئی ہے کہ شدید جانی الاانسان بھی سفر و حضر میں اسکو سمجھکر پورے طبیب کا کام دے سکتا ہے اور ادویہ استعمال بروقت مریض کو خطرات متعلقہ سے بچا سکتا ہے اسلئے پاکٹ کیس کا ہر ایک اہل النسل کے پاس ہر حالت میں موجود رہنا ضروری ہے قیمت ۵

عمدة التقویم سنہ ۱۹۰۲ء مع فہرست ادویات	کارخانہ مرہم عیسیٰ حکیم محمد حسین برادرز لاہور سے طلب کرو	آئینہ صحت تمامہ سرٹیفکیٹ ادویات کارخانہ مرہم عیسیٰ

Digitized by Khilafat Library

ہدایتیں

(۱) بارہا یہ اعلان کیا گیا ہے کہ خریداران خط و کتابت میں یا روپیہ بھیجتے وقت اپنا نمبر جو انکی چٹ پر انکے نام کے پہلے ہوتا ہے ضرور دیا کریں مگر اسپر توجہ نہیں کیجاتی لہذا کوئی صاحب جو اس قاعدہ کی پابندی نہ کرنا چاہیں وہ وقت پر تعمیل نہ ہونیکی شکایت نہ کریں۔

(۲) حصص سرمایہ انجمن اشاعت اسلام کا روپیہ بنام مفتی محمد صادق فنانشل سکرٹری انجمن بمقام قادیان آنا چاہیے اور اسکے متعلق خط و کتابت مولوی شیر علی صاحب بی اے سکرٹری [illegible] آف ڈائرکٹرز بمقام قادیان یا خواجہ کمال الدین صاحب سکرٹری انجمن بمقام پشاور سے ہونی چاہیے۔

(۳) خریداری میگزین کا روپیہ مینیجر رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے نام آنا چاہیے اور جملہ خط و کتابت متعلقہ بھی اسی پتہ پر ہونی چاہیے۔

المشتہر
مینیجر ریویو آف ریلیجنز قادیان ضلع گورداسپور

ایسے بھیجنا چاہیے۔ اسکے متعلق ہر ایک استفسار کا جواب مفتی محمد صادق صاحب دیں گے +++ -